

جاسوسی دنیا

جلد نمبر 5

آتشی پرندہ

15

خونی پھر

16

بھیانک جزیرہ

17

ابن صفحی

اسرار پبلی کیشنز

الکریم مارکیٹ، مین کبیر سڑیت

اردو بازار لاہور - فون : 7321970 - 7357022

جملہ حقوق محفوظ

اس نادل کے نام ، مقام، گردار اور کہانی سے
تعلق رکھنے والے اداروں کے نام فرضی ہیں۔

پبلیشور خالد سلطان

پرنٹر ہاشم انٹر پرائنز

سیل ڈپو: عثمان ٹریڈرز

الکریم مارکیٹ، مین کبیر سڑیت
اردو بازار لاہور - فون : 7321970

جاسوسی دنیا نمبر 15

آتشی پرندہ

(مکمل ناول)

پیش رس

جاسوی دنیا کا پندرھواں نادل "آتشی پرندہ" ملاحظہ فرمائیے۔

اٹ بار خلوط کی تعداد بھی پہلے سے زیادہ ہے۔ مشورے، تعقید اور تنقیص یکساں انداز کی باتم۔ لہذا ان کے بارے میں کیا لکھوں۔ البتہ ایک صاحب نے کراچی سے مجھے لالکارا ہے کہ میں خواب غلط میں کیوں پڑا ہوا ہوں۔ قوم کو سدھارنے کی کوشش بھی کروں۔ آپکا فرمانا بجا کر میرے ہاتھ میں قلم ہے لیکن قوم اس قلم سے صرف کہانیوں کا نزول چاہتی ہے۔ اگر بھی ایک آدھ جملہ کسی مثال کے طور پر بھی قلم سے رپٹ گیا تو قوم جھپٹ پڑتی ہے۔ "آخر آپ کو سیاست میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔" اور میں ہمکا بکارہ جاتا ہوں کہ قوم کو کیا جواب دوں۔ کیونکہ جواب دینے کے سلسلے میں ایک خیم کتاب لکھنی پڑ جائے گی۔ پہلے تو قوم کو یہ بتانا پڑے گا کہ سیاست ہے کیا چیز، پھر عرض کرنا پڑے گا کہ میرے اس حقیر جملے کو اس کسوٹی پر پر کیجئے۔ اگر اس میں ذرہ برابر بھی سیاست پائی جاتی ہو تو جو لیڈر کی سزا دادہ میری سزا۔۔۔ اور پھر بھائی اگر ملک میں سیاست دانوں کی کمی ہو تو تمہوزا بہت کشت بھی انجام لایا جائے۔ مجھے تو بس کہانیاں لکھنے دیجئے، میری لیڈری آپ بھی حلیم نہیں کریں گے۔ پھر خواہ خواہ قوم کا وقت بر باد کرنے سے کیا فائدہ۔ قوم کے لئے اسکے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا کہ دعا کروں۔ "اے اللہ اس قوم کو ایک آزاد اور منفرد قوم کی حیثیت سے ہمیشہ قائم رکھیو۔" آخر میں ان صاحب نے پوچھا ہے کہ لیڈر کی صحیح تعریف کیا ہے؟ بڑا بے ذہب سوال کیا ہے آپ نے۔ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ البتہ اکبر الہ آبادی نے اپنے زمانے کے لیڈر کی تعریف یوں کی ہے۔

یوسف کو نہ دیکھا کہ حسین بھی ہیں جوں بھی
شاید نہے لیڈر تھے زیستا کے میاں بھی
والسلام

ابن مسیح

قص

میں پول ہوٹل کی وسیع قص گاہ روشنی کے طوفان میں بچکو لے لے رہی تھی۔ نئے سال کا یہ پہلا عظیم ایشان رقص تھا۔ فرش پر ثبت اور منقی قوتیں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر رہباناچ رہی تھیں اور ان کے سروں پر لال پیلے، بخشی نارنجی اور قاتی غبارے متنڈلا رہے تھے۔ نیز سرگوشیاں اور ہلکے ہلکے کھلتے ہوئے قبیلے ہاں کی فضائیں ارتقا شدیداً کر رہے تھے۔ آرکسٹرا دستے سروں میں جمع رہا تھا۔

انور اور رشیدہ بہت دیر سے ناق رہے تھے اور اب انور کچھ اتنا سا گیا تھا۔ رقص کے دوران ہی اُس نے اچانک رشیدہ کو گدگدا دیا اور وہ چکل کر پیچے ہٹ گئی۔ وہ بال بال پنچی ورنہ ایک جوڑے سے نبڑی طرح گلکرا جاتی۔ رشیدہ کو ٹھنی بھی آرہی تھی اور غصہ بھی۔ اُس کے اس رویہ پر کئی جوڑوں نے اُسے گھوکر دیکھا اور رشیدہ جھینپ کرنا پڑے والوں کے تجھے سے نکل گئی۔ انور بدستور اپنی جگہ پر سنجیدگی سے کھڑا اپنے سر پر متنڈلاتے ہوئے غباروں کو دیکھ رہا تھا۔ کئی جوڑے اُسے تھیرانہ انداز میں گھوڑتے ہوئے اس کے قریب سے گذر گئے اور وہ اس طرح کھڑا تھا جیسے وہ دہاں بالکل تھا ہو۔ بہتیری رنگیں حراج عورتیں اسے لپاٹی ہوئی نظر وہ سے گھوڑ رہی تھیں۔ آج وہ ضرورت سے زیادہ ”انسان“ نظر آ رہا تھا۔ لباس کے معاملے میں آج اس نے خاصی خوش سلیتگی اور نفاست بر تی تھی۔ رشیدہ کا خیال تھا کہ وہ اسے آہستہ ”انسان“ بنانے میں کامیاب ہو جائے گی۔ آج وہ ہی اسے صد کر کے یہاں لے آئی تھی اور خود اُسی نے اس کے سیاہ ثکو اپنے ہاتھ سے پر لیں کیا تھا۔ لیکن اس کی اس حرکت سے وہ نبڑی طرح بھجن چلا گئی تھی اور

اب تو اس کا غصہ اور بھی تیز ہوتا جا رہا تھا۔ آخر یہ دہاں کھڑا کیا کر رہا ہے؟ انور اس طرح اپنے
اوپر اڑتے غباروں کو گھور رہا تھا جیسے اس کے جیب سے کوئی غبارہ نکل کر آن میں جاملا ہو اور وہ
اب اسے پچان کر دوبارہ پکلانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ فھٹا آرکشرا خاموش ہو گیا؟ ہال میں قیچیہ
گونج اٹھے۔ رقص کرنے والے ایک دوسرے کے بازوؤں میں ہاتھ ڈالے میزوں کی طرف
بڑھنے لگے۔

رشیدہ صحلا کر انور کی طرف بڑھی۔

”تم پاگل ہو گئے ہو کیا۔“

”اوی.....!“ انور چوک کر بولا۔ ”میں پاگل کب نہیں تھا۔“

”اگر یہ سب حقیقیں کرنی تھیں تو آئے کیوں تھے؟“

”بھلا اس میں حماقت کی کیا بات ہے۔“ انور مکرا کر بولا۔ ”یہاں سب ہی ایک دوسرے
کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے آتے ہیں۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ سارے ہال والوں کی
نگاہیں مجھ پر بھی ہوئی تھیں۔“

”اگر متوجہ ہی کرنا تھا تو گدھے کی بولی بولنا شروع کر دیتے۔“

”اور تم نے یہ کیسے بھولایا کر میں ایسا نہ کروں گا۔“ انور نے سنجیدگی سے کھا اور رشیدہ خوفزدہ
ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ لوگ اب بھی انہیں گھورے جا رہے تھے۔

”خدا کیلئے انسان بنو۔“ رشیدہ ملتیجانہ انداز میں بولی۔ ”لوگ ہمیں احمد سمجھو رہے ہیں۔“

”تو اس سے ہماری شخصیت پر کیا فرق پڑتا ہے۔“

”ارے تو کیا یہیں کھڑے رہو گے۔“ رشیدہ زیچ ہو کر بولی۔

”تو چلوا.....!“

دونوں ایک خالی میز پر بینے گئے۔ رشیدہ خاموش تھی۔ انور نے ایک بیرے کو بنا کر اسے
کافی کا آرڈر دیا۔ ان دونوں کے قریب کی میزوں پر بینے ہوئے لوگ انہیں بھی سکھ تھیں۔ آمیز
نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ کافی آئی۔ انور نے نظر پچا کر رشیدہ کی پیالی میں شکر کی بجائے نمک
گھوول دیا اور کافی کا ایک گھوٹ لے کر سگریٹ سلاگا نے لگا۔

رشیدہ ضرورت سے زیادہ بخیدہ نظر آ رہی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ انور کو پھٹکارنے کیلئے مناسب الفاظ طاش کر رہی ہو۔ وہ تھوڑی دیر تک انور کو گھورتی رہی پھر اچانک بولی۔

”آدمی بخاؤ دی..... اس قسم کی حرکتیں سو سائی میں پسندیدگی سے نہیں دیکھی جاتیں۔ لوگ ابھی تک ہمیں متعلقہ بخی انداز میں گھور رہے ہیں۔ نہ جانے تم کب.....!“

”یہ غبارے کتنے حسین لگ رہے ہیں۔“ انور نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

”تمہارا سر.....!“ رشیدہ نے جھلا کر کہا اور کافی کی پیالی انھا کر ہوتوں سے لگائی تھیں دوسرا سے عی لمحے پیالی والا ہاتھ پیالی سمیت جھٹکے کے ساتھ میز پر آ رہا۔ کافی کا گھونٹ ابھی تک اس کے منہ میں تھا اور وہ انور کو گھور رہی تھی جو نہایت بخیدہ اور انہا ک کے ساتھ گیس بھرے غباروں کا جائزہ لے رہا تھا۔

رشیدہ نے بدقت تمام وہ گھونٹ طلق سے اتارا اور بے اختیار ہنس پڑی۔

اس بُنی میں بیچارگی، بخجلاءت، لطف اندوزی بھی کچھ شامل تھا۔ انور چوک کر اس کی

طرف مڑا۔

”میں کچھ کہتی ہوں انور کی دن.....!“

”تم آخر میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو۔“ انور بخجلاءت کر بولا۔

”خیر! چلو آج گھر چل کر تمہیں اس مکاری کا مزہ چکھاؤں گی۔“

”آخر بات کیا ہے۔“

”تم نے میری پیالی میں نہک.....!“

رشیدہ جملہ پورا نہیں کر پائی تھی ایک عمر اور وجہہ عورت ان کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے سفید ساری چمکی رکھی تھی اور گلے میں ایک بیش قیمت ہار تھا۔ کلائیوں میں سونے کی جزا و چوڑیاں تھیں، چہرے پر عجیب قسم کی نری تھی جیسے مانتا کی زیادتی کے علاوہ اور کسی دوسری چیز سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ خدو خال سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جوانی میں بے مثال خوبصورتی کی مالک ہو گی۔ عمر کافی ڈھل جانے کے باوجود بھی اس میں جاذبیت موجود تھی۔

”بچو! اگر میں یہاں بینے جاؤں تو.....!“ عورت کچھ پھکچاتی ہوئی بولی۔

"شوق سے شوق.....!" رشیدہ نے خوش اخلاقی سے کہا۔

عورت ایک کرسی کھڑکا کر بیٹھ گئی۔ انور اسے تغیری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"میں تم لوگوں میں بہت دیر سے دلچسپی لے رہی ہوں۔" عورت مسکرا کر بولی۔

لیکن اس کی مسکراہٹ میں تصحیح کا پہلو نہیں تھا۔ لبجھ میں بزرگانہ شفقت کے آثار تھے۔

رشیدہ شر میلے انداز میں مسکرا کر رہ گئی۔ لیکن انور کی آنکھوں میں شرات آمیز چمک تھی۔

"میرا خیال ہے کہ یہاں اس وقت تمہارے علاوہ اور کوئی کافی نہیں پی رہا ہے۔"

"ہم لوگ شراب نہیں پیتے۔" رشیدہ بولی۔

"خوب! خوب..... مجھے ایسے بچ پسند ہیں۔" عورت دبے ہوئے جوش کے ساتھ بولی۔

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ رشیدہ نے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ انور اس

وقت کوئی کسلی کڑوی بات کہے۔ عورت کے لبجھ میں چمچا ہوا پیارا سے اپنی طرف کھینچ رہا تھا انور
دوسری طرف منہ پھیر کر بیٹھ گیا۔

"تمہاری کافی شختگی ہو رہی ہے۔" عورت نے رشیدہ سے کہا۔ انور اپنی پیالی خالی کر چکا تھا۔

"وہ..... کچھ نہیں ٹھیک ہے۔" رشیدہ جھینپھی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"اوہ تو میں یقیناً یہاں بیٹھ کر مخل ہوئی۔" عورت اٹھنے کا ارادہ کرتی ہوئی بولی۔

"نہیں..... نہیں..... یہ بات نہیں۔" رشیدہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولی۔

عورت بیٹھ گئی لیکن وہ انور کی طرف بار بار دیکھ رہی تھی، جو اکتائے ہوئے انداز میں جلدی
جلدی سگریٹ کے کش لے رہا تھا۔

"بات یہ ہے کہ اس کافی میں دو حصے تک ہے۔" رشیدہ مسکرا کر بولی اور انور کی طرف

دیکھنے لگی۔

وہ عورت مسکرا کر انور کی طرف مڑی۔ پھر دھڑا ذرا بلند آواز میں بولی۔ "جمود! جمود میں

ادھر ہوں۔"

رشیدہ نے مڑ کر دیکھا ایک آدمی ایک نوجوان عورت کے ساتھ ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وہ تھا تو جوان ہی لیکن اس کی چہرہ ہوئی تھی مونچھوں نے اسے قبل از وقت معمراً اور سنجیدہ ہنا دیا

تحا۔ پیشانی کشادہ اور چکدبار تھی۔ لباس کے رکھ رکھاؤ سے خوش سلیقہ معلوم ہوتا تھا۔ اُس کے ساتھ دالی عورت خدوخال کے سیکھے پن کی وجہ سے مزاج کی چیزیں لگ رہی تھیں۔ وہ دونوں آکر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

”میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔“ عورت بڑی موچھوں والے کی طرف مخاطب ہو کر بولی۔

”آپ لوگوں کی تعریف.....!“ وہ انور اور رشیدہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

پھر دھنٹا انور پر نظر پڑتے ہی چوک اٹھا۔ وہ اُسے عجیب نظر وہن سے گھور رہا تھا۔

”ان لوگوں سے میں ملاقات ہوئی ہے۔“ معمراً عورت بولی۔

اجنبی انور کو برا بر گھورے جا رہا تھا۔ انور کی نگاہیں بھی اس پر جھی ہوئی تھیں۔ اجنبی کے انداز میں تحریر تھا۔ انور اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ اسے پہچانتا ہو لیکن اس کے انہمار میں پہل نہیں کرنا چاہتا۔

”آنکھوں پر یقین نہیں آتا۔“ اجنبی مسکرا کر آہست سے بڑھ دیا۔

انور مسکرانے لگا۔ رشیدہ اور وہ دونوں عورتیں انہیں حرمت سے دیکھ رہی تھیں۔

”تم اتنے بالیقدہ کب سے ہو گئے ہو۔“ اجنبی مسکرا کر بولا۔

”اور تم نے اپنے ہونٹ پر یہ باتیل کب سے پائی ہے۔“ انور نے پوچھا۔

اجنبی جھینپ کر اپنی موچھوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

”ارے تو کیا تم ایک دمرے سے واقف ہو۔“ معمراً عورت گرجوشی کا انہمار کرتے ہوئے بولی۔

”اس طرح جیسے داہنا ہاتھ باسیں ہاتھ سے۔“ اجنبی نے مسکرا کر کہا۔ ”میں تین دن سے

اس کی تلاش میں ہوں۔“

”تو کیا یہ انور ہیں۔“ معمراً عورت مستحبات انداز میں بولی۔

”ہاں.....!“ اجنبی مسکرا کر بولا۔ ”انور! یہ میری چھی اماں رانی صاحبہ ہری پور زین اور یہ

میری بیوی شاہدہ۔“

انور ان دونوں سے ہاتھ ملا کر کری کی پشت سے نکل گیا۔

”آختم نے بھی شادی کرتی ڈالی۔“ اجنبی نے انور سے کہا۔

”تم غلط سمجھے..... یہ میری دوست خان بھادر رشیدہ خال ہیں۔“ انور نے کہا اور رشیدہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”یہ میرے کلاس فیلو محمود علی خار ہیں۔ ہری پور کے جا گیردار۔“

”رشیدہ..... کون رشیدہ۔“ رانی صاحب چونکہ کز بولیں۔ ”کیا وہی جس نے دارا ب کو قتل کر کے دس ہزار کا انعام حاصل کیا تھا۔“

”جی وہی.....!“ انور مسکرا کر بولا۔

”تم سے مل کر بہت خوش ہوئی۔“ رانی صاحب گرم جوش سے رشیدہ کا ہاتھ دباتی ہوئی بولیں۔ ”لیکن یقین نہیں آتا..... تم بہت پیاری بچی ہو! تم نے اسے کس طرح قتل کیا ہوگا۔“ ”باقاعدہ مقابلہ کر کے.....!“ رشیدہ نے مسکرا کر کہا۔ ”ایک بار ذرا سا چوکا تھا کہ میرے پتوں کی گولی نے اس کا بھیجا اڑا دیا۔“

”تم واقعی دلیر لڑکی ہو۔“

انور نے دوبارہ کافی کا آرڈر دیا۔ محمود کی یہوی بدستور خاموش تھی۔ اس دوران میں اس کے ہوتوں پر خفیہ سی مسکراہٹ بھی نہ دکھائی دی تھی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ انور اور رشیدہ کو متربھجہ کر آن سے اکتا رہی ہو۔ کافی آئی لیکن اس نے اپنی بیالی الٹ کر رکھ دی۔ محمود کے چہرے پر غبار سا چھا گیا۔ شاید اسے اپنی یہوی کی یہ حرکت ناگوار گزدی تھی۔ ”یہ کافی نہیں چیزیں۔“ محمود نے ندامت آمیز لمحے میں کہا اور اس کی یہوی ہوتٹ سکوڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

”بہت اچھا کرتی ہیں۔“ انور نے لاپرواں سے کہا اور سگر ہٹ سلاکنے لگا۔

”تم میں واقعی حرمت انگیز تبدیلی ہوئی ہے۔“ محمود نے انور سے کہا اور پھر رانی صاحب کی طرف چاہٹ ہو کر بولا۔ ”میرا اور ان کا لباس کا مقابلہ رہتا تھا۔ مگر یہ ظالم قیمتی سے قیمتی سوت اتنے بے ڈھنگے پن سے استعمال کرتا تھا کہ کلیجہ خون ہو جاتا۔ شرارتون کی دھوم سارے کانج میں تھی۔“

”اور اس وقت بھی ایک شرارت ہی کی بناء پر مجھے ان کی طرف متوجہ ہوتا پڑا تھا۔“ رانی

صاحبہ نہ کر بولیں اور پھر انہوں نے پورا واقعہ دھرا دیا۔ محمود بے ساختہ ہنسنے لگا لیکن اس کی یہوی

بدستور من بچلائے بیٹھی رہی۔

"میں دراصل ایک مسئلہ پر غور کرنے لگا تھا۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "میں یہ سوچ رہا تھا کہ آدمی اب سے ہزاروں سال پہلے ہی اچھا تھا۔ جب وہ ڈھوندکوں کی تھاپ پر اچھل کو دکھانے کا تھا۔ اس طرح کم از کم اسکے جسم میں تو انہی ہی آتی تھی۔ بچلا آج کے مہذب ناتھ میں کیا رکھا ہے۔ آرکشرا کی روں روں اور گھومن گھومن کے ساتھ کیڑوں کی طرح ریکھ رہے ہیں۔" "یار تمہاری اس اٹی کھوپڑی نے تمہیں جاہ کیا ہے۔" محمود متاسفانہ لمحہ میں بولا۔ "ورنہ

اتی بڑی جائیداد.....!"

"محمود پلیز.....!" انور احتیاج باتھے اٹھا کر بولا۔ "میں پرانی باتیں سننا پسند نہیں کرتا۔"

"خیر..... خیر....." محمود سکریٹ سلکاتا ہوا بولا۔ "اور سناؤ کیسی گذر رہی ہے۔"

"تم مجھے ٹاٹاں کیوں کر رہے تھے۔" انور نے پوچھا۔

"بھی ایک بہت ہی اہم معاملہ ہے۔" محمود نے کہا اور رافی صاحب کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں اب بھی بھی کہتی ہوں کہ یہ کسی آدمی کے بس کاروگ نہیں۔" رافی صاحب مختکرات انداز میں بولیں۔

"ہم لوگ بڑی مصیبت میں بچنے گئے ہیں۔" محمود رافی صاحب کا جملہ نظر انداز کر کے انور سے بولا۔ "ایک خوفناک پرندہ ہری پور والوں کی پریشانیوں کا باعث بنا ہوا ہے۔"

"پرندہ.....!" انور خس کر بولا۔ "تم کیا مجھے چڑے مار تصور کرتے ہو۔"

"نہ اتنی نہیں انور یہ بہت اہم معاملہ ہے۔" محمود نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ انور خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔

"اُسے آتی پرندہ کہتا چاہئے۔" محمود آہست سے بولا۔ "ایک ایسا پرندہ جس کے پروں سے آگ نکلتی رہتی ہے۔ ازان کے انداز سے کبود معلوم ہوتا ہے۔" انور بے تھاشہ ہنسنے لگا۔ رشیدہ بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

"یار محمود تم ابھی تک دیے ہی ہو۔ تمہاری شاندار ٹپیں اکثر یاد آیا کرتی ہیں۔" انور خس کر بولا۔

محمود جھنجلا کر اُسے گھومنے لگا۔

”یہ حقیقت ہے۔“ رانی صاحبہ سنجیدگی سے بولیں۔ ”لیکن محمود کا یہ خیال غلط ہے کہ تم اس سلسلے میں کوئی مدد کر سکو گے۔“
انور سید حاہو کر بیٹھ گیا۔

”لیکن قبیلے والے پریشان کیوں ہیں۔“ انور نے کہا۔ اُس کے لجھے میں سنجیدگی تھی۔
”جس عمارت پر وہ اترتا ہے اس میں آگ لگ جاتی ہے۔“ محمود نے کہنا شروع کیا۔
”اب تک کتنی پختہ عمارتوں اور متعدد جھونپڑوں میں آگ لگ چکی ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ کوئی بحوث ہے، جو قبیلے والوں کے پیچھے پڑ گیا ہے لیکن میں اسے حلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔“
”کیوں؟ یقین نہ کرنے کی وجہ؟“ انور نے پوچھا۔

”میں ان چیزوں کا قائل نہیں۔“ محمود نے کہا۔

”تم نے اپنی آنکھوں سے اس پرندے کو دیکھا ہے۔“

”ہاں..... دوبار.....!“

”اور پھر بھی تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ کوئی خبیث روح نہیں ہے۔“ انور نے پوچھا۔
”دقائقی.....!“

”آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے۔“ انور رانی صاحبہ کی طرف مڑا۔

”میں یقیناً اسے کوئی خبیث روح سمجھتی ہوں اس کے علاوہ اور ہوئی کیا سکتا ہے۔ میں نے آج تک کسی آتش پرندے کے متعلق نہیں سن اور پھر ایک پتھر کا مقبرہ بھی جلتا ہوا دیکھا گیا جس میں لکڑی یا کسی جلنے والی چیز کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ خالص پتھر کا مقبرہ۔“ رانی صاحبہ خاموش ہو کر انور کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھنے لگیں۔

”تو کیا وہ پرندہ روز دکھانی دیتا ہے۔“ انور نے پوچھا۔

”نہیں..... دوسرے تیرے دن۔“

”اور کب سے نظر آنے لگا ہے۔“

”تقریباً پندرہ یا بیس یوم سے۔“

”آ تشریفی کے علاوہ کوئی اور حادث۔“ انور نے پوچھا۔

"ابھی تک تو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوا۔"

"کبھی کسی نے اس پرندے کا تعاقب بھی کیا ہے۔"

"نہیں! کسی کی ہمت ہی نہیں پڑتی۔" رانی صاحبہ بولیں۔ " محمود نے کئی بار کوشش کی لیکن میں نے ایسا نہیں کرنے دیا۔"

"کیا وہ ہمیشہ ایک ہی سست سے نمودار ہوتا ہے۔"

"لوگ ہی کہتے ہیں۔" محمود بولا۔ "وہ جنگل کی طرف سے آتا ہے۔ تم شام کہ ہری پور کبھی نہیں گئے۔ قبے کے مشرقی کنارے سے کچھ دور ہٹ کر جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ یہ سلسے کچھ دور کے بعد سے ناقابل عبور ہو گئے ہیں۔ میلوں تک کروندے کی کائنے دار جگاریاں پھیلی ہوئی ہیں جنہیں پار کرنا ناممکن ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ منہوس پرندہ اسی طرف سے آتا ہے۔ ایک بار میں نے سوچا تھا کہ اس پر فائر کروں مگر چھپی اماں نے سختی سے روک دیا۔"

اور کچھ سوچنے لگا۔ بقیر لوگ اُسے گھور رہے تھے۔

"اور اس چیل کو کیوں بھول گئے۔" محمود کی بیوی شاہدہ تیوری چڑھا کر بولی۔
محمود چونک کراس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے انداز میں بیچارگی تھی۔ احتجاج تھا۔
رانی صاحبہ موقع کی نزاکت کا احساس کر کے فوراً بولیں۔

"بھورانی کا خیال کچھ اور ہے۔ ہری پور میں ایک دیوانی لڑکی بھی لوگوں کے خوف کی وجہ نی ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس پر کسی جن کا سایہ ہے اور وہی اس جانشی کی ذمہ دار ہے، جیسے ہی پرندہ دکھائی دیتا ہے اس لڑکی کی ڈراوٹی جنہیں اور دل ہلا دینے والے قبیلے سارے قبے میں گوئی بخجھے لگتے ہیں۔"

"میں اسے تعلیم نہیں کر سکتا۔" محمود نے آہتہ سے کہا۔

"آپ کیوں تعلیم کرنے لگے۔" شاہدہ زہر خند کے ساتھ بولی۔

محمود نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چہرے پر اسی سی پھیل گئی اور کوئی چھپا ہوا غم اس کی آنکھوں میں کروٹیں لینے لگا۔

"وہ لڑکی کون ہے؟" انور نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

”ایک ڈاکٹر کی بہن ہے۔“

”ڈاکٹر کیسا آدمی ہے۔“

”اگر میں اسے فرشتہ کہوں تو بیجانہ ہو گا۔“ رانی صاحبہ بولیں۔ ”اس نے اپنی زندگی خدمتِ خلق کے لئے وقف کر دی ہے۔ آج سے دو سال قابل وہ ہری پور میں آیا تھا۔ اس عرصے میں اس نے اپنی خدمات کی وجہ سے لوگوں کے دل جیت لئے ہیں اور بھی وجہ ہے کہ اس کی دیوانی بہن سارے قبیلے میں اودھم مچاتی پھرتی ہے کوئی کسی تم کا اعتراض نہیں کرتا۔“

”کیا وہ ہری پور میں پاگل ہوئی ہے یا اس سے پہلے سے تھی۔“

”ڈاکٹر کا بیان ہے کہ وہ بچپن ہی سے ایسی ہے۔“

”لیکن تعجب ہے کہ ڈاکٹر اسے اس طرح آزادانہ پھرنے دتا ہے۔“ انور نے سگریٹ سلاکا تے ہوئے کہا۔

”وہ تو اسے بعض اوقات باندھ کر رکھتا ہے لیکن وہ کسی نہ کسی طرح نکل جاتی ہے۔“

”ڈاکٹر کے خاندان کے دوسرے لوگ بھی وہیں ہری پور ہی میں رہتے ہیں۔“ انور نے پوچھا۔

”نہیں..... صرف وہ اور اس کی بہن۔ دو تین نوکر۔“ رانی صاحبہ نے کہا۔

”وہ ملٹری میں ڈاکٹر تھا۔ کسی وجہ سے اس نے ملازمت چھوڑ دی۔ اکثر ہری پور میں بھی

فوج کے آفیسر اس کے پاس آتے رہے ہیں۔“

”اس کی ماںی حالت کیسی ہے۔“ انور نے پوچھا۔

”کافی مالدار آدمی ہے۔“ رانی صاحبہ نے کہا۔ ”ہری پور کے مضافات میں اس نے کچھ جائیداد بھی خریدی ہے۔“

انور کچھ سوچنے لگا۔

”تواب تم چاہتے کیا ہو۔“ اس نے محمود سے پوچھا۔

”ہمارے ساتھ ہری پور چلو۔“

”معاملہ ہے تو دلچسپ۔“ انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اچھا خیر میں کوشش کروں گا۔“

”کوشش نہیں۔“ محمود نے کہا۔ ”تمہیں چلتا پڑے گا۔“

"چلوا.....!" رشیدہ نھیں کر بولی۔ "میں تھوڑی تفریح چاہتی ہوں۔"

"اچھا تو کیا تم بھی چلوگی۔" انور بولا۔ "مگر تمہیں کسی نے نہیں مدعو کیا۔"

"ارے بھی شوق سے..... شوق سے..... مجھے بڑی خوشی ہوگی۔" محمود جلدی سے بولا۔

رشیدہ نے دوسرا طرف من پھیر لیا۔ رشیدہ نے شاید اس کے خیالات بجانب لئے تھے۔

لبذا وہ جلدی سے بولی۔

"ارے بھلا میں کہاں جا سکتی ہوں۔"

"کیوں.....؟" رانی صاحب نے پوچھا۔

"یونہی! میں آج کل بہت مصروف ہوں۔"

"تمہیں تو چلتا ہی پڑے گا۔ تم بہت پیاری پیچی ہو۔" رانی صاحب نے کہا۔

"نہ جانے کیوں میرا دل چاہا تھا کہ تم سے جان پچھان پیدا کروں۔ ویسے یہاں اور بھی

میز سے خالی ہیں۔"

"خیر میں پرسوں ہری پور پہنچ جاؤں گا۔" انور نے کہا۔

"اور تھا نہیں آؤ گے۔" رانی صاحب مسکرا کر بولیں۔

"رشوکی ذمہ داری میں نہیں لے سکتا۔ بعض اوقات یہ اس لڑکی سے بھی زیادہ پاگل ہو جاتی

ہے، جس کا تذکرہ ابھی آپ لوگوں نے کیا تھا۔"

رشیدہ نے انور کو گھور کر دیکھا اور انور سگر ہٹ سکا نے لگا۔

"نہیں تم انہیں ضرور لاوے گے۔" رانی صاحب نے کہا۔

"تمہاری موچھیں بہت خوفناک ہیں۔" انور نے محمود سے کہا۔

"مغلکہ ازانہ شروع کر دیا تم نے۔" محمود مسکرا کر بولا۔

"لیکن ان حالات میں ان کا وجود غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔"

محمود پہلے تو کچھ نہیں سمجھا لیکن انور کی نگاہیں اپنی بیوی کی طرف انھی دیکھ کر وہ اس کے

ظرفیتے بیمار کی تہہ نکل پہنچ گیا۔

"خیر تو پرسوں تم ہری پور پہنچ رہے ہو۔" محمود گا صاف کرتا ہوا بولا۔

”ہاں..... آں.....!“ انور نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ محمود زیادہ تر کانچ کی چھپلی زندگی کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔

پراسرار لڑکی

دو دن بعد انور اور رشیدہ ٹرین پر بیٹھے ہوئے احمد گر کی طرف جا رہے تھے۔ احمد گر ایک چھوٹا سارا بیوی اُٹیشن تھا جہاں سے ہری پور کا فاصلہ آٹھ میل تھا۔ اُٹیشن سے قبے سُک ایک ایک پختہ سرک تھی جو قبے والوں نے اپنی ضروریات کے لئے بنوائی تھی۔ رافی صاحب ہری پور کی ایک ترقی پسند عورت تھی۔ اس سرک کی تعمیر میں ان کا سب سے بڑا حصہ تھا۔ کچھ اس ایک سرک ہی پر منحصر نہیں، قبے والوں کے آرام و آسائش کے لئے انہوں نے بہت کچھ کیا تھا۔ قبے میں متعدد جگہ بور گگ پاپے لگوائے تھے۔ ایک شفا خانہ اپنے خرچ سے تعمیر کر لایا تھا۔ بچوں کے لئے چھوٹے چھوٹے کئی سکول قائم کئے تھے جہاں جدید طریقہ تعلیم رائج تھا۔ قبے میں ایک ہائی سکول ری سکول بھی تھا لیکن اس کا تعلق براؤ راست حکومت کے حکم تعلیم سے تھا۔ دیسے یہ سکول بھی رافی صاحب کی کوششوں سے قائم ہوا تھا اور وہ اس کی انتظامیہ کمیٹی کی صدر تھیں۔ بہر حال انہوں نے اس بات کی حتی الامکان کوشش کی تھی کہ ہری پور ایک ترقی یافت قبے سمجھا جائے۔ احمد گر کے اُٹیشن پر محمود کا لئے موجود تھا جیسے ہی ٹرین رکی محمود کے ملازم میں انور کے سامان پر ٹوٹ پڑے۔

”میں تو ڈر رہا تھا کہ کہیں تم اپنی پرانی عادت کے مطابق بھول نہ جاؤ۔“ محمود نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

”تم خواہ خواہ ڈر رہے تھے۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”ہم ایک ماہ کی چھٹی لے کر آئے ہیں اور چھٹی ختم کئے بغیر یہاں سے واپس نہ جائیں گے۔“

”بھٹی خدا کی قسم تم نے یہ کہہ کر مجھے میں نئی زندگی ڈال دی ہے۔“ محمود اس کا ہاتھ دباتا ہوا بولا۔

”اسی لئے تو میں نے ایک ماہ کی چھٹی لی ہے تاکہ تم کم از کم ایک ماہ تک تو سکون کی زندگی بسر کر سکو۔“ انور ہنس کر بولا۔

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھتا۔“

”ظاہر ہے کہ مہماںوں کی موجودگی میں تم پر عتاب نازل ہوتے کے امکانات کم ہو جائیں گے۔

محمود نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن اُس کے چہرے پر اشکال پھیل گیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ان کی کار ہری پور کی طرف جا رہی تھی۔

”تو تمہاری ازدواجی زندگی ناکام رہی۔“ انور تھوڑی دیر بعد بولا۔

محمود اس کی طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ اس مذکورے سے پہلو تھی کرتا چاہتا ہو۔

”تمہارا اندازہ درست ہے۔“ وہ تھوڑی دیر بعد گا صاف کرتا ہوا بولا۔ ”شادی ایک قسم کا جو ہے..... انہی چال۔“

” مجھے خوشی ہے کہ میں جواری نہیں ہوں۔“ انور سگریٹ سلاکتا ہوا بولا۔

”لیکن عورت بہر حال ضروری ہے۔“ محمود چیلکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ”چاہے وہ یہوی ہو چاہے دوست۔“

رشیدہ تھے جانے کیوں خود بخود مسکرانے لگی۔

”جب رشو نہیں تھی تب بھی میں مطمئن تھا۔“

”لیکن آدمی نہیں تھے۔“ محمود نے سنجیدگی سے کہا اور رشیدہ فخر یہ انداز میں کار کے باہر دیکھنے لگی۔

”جسے تم آدمی سمجھتے ہو وہ آدمی تو میں اب بھی نہیں ہوں۔“ انور مسکرا کر بولا۔

”تو تم اب بھی مشین ہو۔“ محمود ہنس کر بولا۔ ”میں سمجھا تھا شائد اس عرصے میں نظریات تبدیل کر دیے ہوں گے۔“

”یہ نظریہ نہیں بلکہ میرا ایمان ہے۔“ انور جلسے ہوئے سگریٹ کے گلے سے سگریٹ سلاکتا ہوا بولا۔

رشیدہ اس گفتگو سے اکتاری تھی۔ اُسے خوف ہوا کہ کہیں یہ دونوں کسی قلف میں نہ الجھ

جائیں اس لئے کہ قبیل اس کے کہ محمود کوئی جواب دنتا وہ اس سے پوچھتے ہیں۔

”کیا یہ سارا علاقہ ہری پور سے تعلق رکھتا ہے۔“

”جی ہاں.....!“ محمود نے کہا۔ ”احمد گرت تو صرف ریلوے اسٹیشن کا نام ہے، ورنہ ادھر کا سارا علاقہ ہری پوری کا زرگی علاقہ ہے۔“

”تجھے دیہات کی زندگی بہت پسند ہے۔“

”مخفی اس لئے کہ آپ شہر میں رہتی ہیں۔“ محمود ہنس کر بولا۔ ”اگر آپ خداخواست کسی دیہات سے متعلق ہوتی تو کبھی ایسا نہ کہتیں۔“

”آن تاز کے درختوں میں وہ تالاب کتنا ہیں لگ رہا ہے۔“ رشیدہ ایک طرف انگلی انھاتی ہوئی بولی۔

”اس سے بھی اچھا لگ رہا ہے رشو.....!“ انور مسکرا کر بولا۔ ”اب ہم بقول تمہارے کوئی خلک بحث نہ چھیڑیں گے ورنہ تم کسی جگائی کرتی ہوئی بھیتیں کی طرف انگلی انھا کر کہو گی..... وہ دیکھو ملک سحر اپان چہارہ ہے..... کسی بندر کی طرف اشارہ کر کے کہو گی وہ دیکھو راجپور آوارہ ہو گیا..... کسی گیدڑ.....!“

محمود بے اختیار ہنس پڑا اور رشیدہ جلا کر انور کو گھورنے لگی۔

”میں تجھ کہتا ہوں کہ یہ آدمی نہیں ہے۔“ محمود نے کہا۔

”بنتے ہیں۔“ رشیدہ منہ سکوڑ کر بولی۔ ”اپنے کو عام آدمیوں سے الگ تھلک ظاہر کرنے کا خط ہو گیا ہے۔“

”دیکھو یہ فرق ہوتا ہے یہوی اور دوست میں۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”رسو کتنی آزادی سے میرے تعلق انہمار خیال کر رہی ہے۔“

”اچھا بس چپ رہو۔“ رشیدہ گڈو کر بولی۔

”چپ ہو گیا۔“ انور نے کہا اور محمود کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ محمود ان کی لڑائی میں کافی دلچسپی لے رہا تھا۔

”اگر تمہاری یہوی تھیں کسی اجنبی کے سامنے ڈاٹ دیتی۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”تو تمہاری

کیا عزت ہوتی؟ نہ تو تم اسے کچھ کہہ سکتے اور نہ برداشت ہی کر سکتے۔ مخفی اس لئے کہ آج کا آدی قدامت اور نی تہذیب کی درمیانی دلدل میں بُری طرح پھنسا ہوا ہے۔ ایک طرف تو اسے آج کی مساوات کھینچتی ہے اور دوسری طرف صدیوں پر اتنا ضمیر، جو عورت کی حکومیت کا عادی ہو چکا ہے۔ ذہن کے چور دروازے پر دستک دیتا رہتا ہے۔ تیج قبر دروٹش پر جان دروٹش۔ تپ دق میں جاتا ہو جائے نہ آپ صحیح معنوں میں مساوات برداشت کرتے ہیں اور نہ کھلم کھلا عورت پر اپنی حاکیت جاتے ہیں۔ بس گھستنے رہئے۔ اس کے برخلاف اگر عورت یہوی کے بجائے دوست ہے تو اس قسم کی ابھینیں پیدا ہی نہیں ہونے پاتیں۔ یقین کرو میں اور رشیدہ ایک دوسرے کی پانیں سک کر بینتے ہیں لیکن ہمارے تعلقات ناخوٹگوار نہیں ہوتے۔“

”پھر تم نے فضول بکواس شروع کی۔“ رشیدہ جلا کر بولی۔

”ارر..... لا..... اچھا محموداب بس۔“ انور اپنے ہونتوں پر انقلی رکھتا ہوا بولا۔

تحوڑی دری سک خاموشی رہی پھر محمود بولا۔

”میں تم سے بالکل متفق ہوں۔ کچھ آج کی ازدواجی زندگی بہت بھی سک ہے اور تم نے اس کی جو وجہ بتائی ہے اسے میں درست سمجھتا ہوں۔ میں الجھادا مجھے خاموش رکھتا ہے اور میں سارے خاندان میں رن مرید مشہور ہو گیا ہوں اور مجھے رن مرید کہنے والے جاہل نہیں بلکہ اعلیٰ تعلیم یافت لوگ ہیں۔“

”تعلیم یافت“ انور ہوت سکوڑ کر بولا۔ ”یہ سب جاہل ہیں، انہیں میں کتوں اور سوردوں سے بھی بدتر سمجھتا ہوں، ان میں کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ نہ یہ خود کو پیچان سکتے ہیں اور نہ دوسروں کو۔“

محمد خاموشی سے سگر ہٹ پیتا رہا۔

”اور میرا خیال ہے کہ تم بھی انہیں لوگوں کی صفت میں آتے ہو۔“ رشیدہ بولی۔

”میں تمہارے خیال کی قدر کرتا ہوں۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”اور آئندہ بھی کرنے کی کوشش کروں گا۔“

تحوڑی دری بعد کار قبے میں داخل ہو رہی تھی۔

یہاں چاروں طرف بڑی بڑی نئی اور پرانی عمارتیں نظر آ رہی تھیں۔ راستوں اور گلیوں میں گندگی کا نام دنشان بک نہ تھا۔ محمود کا مکان جو قبے کے مغربی کنارے پر واقع تھا قصصی میں "حوالی " کے نام سے مشہور تھا۔ یہ حوالی تین یا چار مریع فرلاںگ میں پھیلی ہوئی تھی۔ درمیان میں قدیم وضع کی ایک شاندار عمارت تھی اور چاروں طرف قد آدم چہار دیواری تھی، جو مختلف قسم کے باغوں کے گرد احاطہ کئے ہوئے تھی۔

احاطے میں کار دا خل ہوتے ہی کئی نوکر اٹھ کر کار کی طرف دوڑے۔

"ذرا ان کی حماقت اور فرمائیداری دیکھو۔" محمود مسکرا کر بولا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے

اگر یہ اس طرح دوڑیں گے جیں تو ہم برا مان کرو اپس ٹلے جائیں گے۔"

"تم جا گیرداروں کی عجیب حالت ہے۔ ایک طرف تو تم یہ چاہتے ہو کہ یہ تمہارے مقابلے میں احساسِ مکتری میں بجلار ہیں اور دوسری طرف ان کا احساسِ مکتری مھکنے لیجی معلوم ہوتا ہے۔"

"یا تم تو بات پر تنقید کرنے لگتے ہو۔"

نوکروں نے کار کے ساتھ ساتھ دوڑنا شروع کر دیا تھا۔ کار ایک بہت ہی طویل و عریض ہر آمدے کے سامنے جا کر رکی۔ رانی صاحبہ برآمدے ہی میں موجود تھیں۔ تھوڑی دری بعد وہ رشیدہ کو اندر لے گئیں۔

اُسی دن شام کو رشیدہ محمود اور انور پائیں باغ میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ محمود کی بیوی کی بات پر جھنجھلا کر ان کے پاس سے اٹھ گئی تھی اور انور اس پر محمود کا مھکہ اڑا رہا تھا۔

"یا رجھتے تو دماغ کا ایک آدھا اسکریوڈ ہیلا معلوم ہوتا ہے۔"

"تم رجھ کرتے ہو۔ میں پاگلوں میں گمراہوں ہوں۔" "محمود نے کہا۔

"اچھا اب ختم بھی کرو یہ قصہ۔" رشیدہ انور کو گھور کر بولی۔

"صحیح معنوں میں رشیدہ صاحبہ کو مجھ سے ہمدردی ہے۔" محمود نے کہا۔ "وہ بھتی ہیں کہ یہ

میرا ایک کمزور پوائنٹ ہے اور میں اس پر تبرہ نہیں چاہتا۔"

"خیر..... گمراہوں نہیں۔ مجھے اس چیز پرے پن کی گہرائیوں میں کچھ نظر آ رہا ہے۔" انور

نے کہا۔

"کیا مطلب.....؟" محمود پوچھ کر بولا۔

"تمہاری کوئی غلطی یا شایدہ کی غلطی نہیں۔" انور اسے معنی خیز نظر وہ سے دیکھنے لگا۔

محمود کے ہوتوں پر بے جان سی مکراہٹ پھیل گئی۔ انور نے محسوس کیا کہ وہ کسی فوری جذبے کو دبائے کی کوشش کر رہا ہے؟ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ دراصل انور یہاں آ کر کچھ مضطہل سا ہو گیا تھا۔ یہاں کی پر سکون فضا اس کے ہنگامہ پسندِ مزاج کے لئے سازگار تھی۔ ہر لمحہ زندگی میں ایک نئی تبدیلی کی توقع رکھنے والے ماحول کی یکسانیت کو پسند نہیں کرتے۔ وہ یہاں بھی نہ آتا لیکن تجسس پسند طبیعت کھینچتی تھی۔ وہ بے چینی سے اندر ہمراپھیلنے کا انتظار کر رہا تھا۔

"ہاں بھی،! وہ تھوڑی دیر بعد محمود کو مخاطب کر کے بولا۔" کیا تم مجھے وہ جگہ بتاتے

ہو جہاں سے وہ تمہارا آتش پر نہ آتا ہے۔"

"اگر جگہ معلوم ہوتی تو جھیں کیوں تکلیف دیتا۔"

"میرا مطلب سمت سے ہے۔ تم نے جنگلوں کے کسی سلسلے کا تذکرہ کیا تھا۔ کیوں نہ ہم لوگ ادھر ہی چلیں؟" انور نے کہا۔

"اس وقت کمال کر دیا۔ ارے تھوڑی دیر بعد رات ہو جائے گی؟ اور رات کو اس طرف جانا خطرے سے خالی نہیں۔"

"اچھا تو کیا پھر تم نے شخص اُس پرندے کی زیارت کے لئے یہاں بلایا تھا۔" انور نے طریقہ لجھے میں کہا۔

"یہ بات نہیں! ابھی پچھلے ہی ہفتے اس طرف قتل کی ایک دارودات ہو چکی ہے۔"

"قتل؟" انور دلچسپی کا اکٹھا کرتا ہوا بولا۔ "کس کا قتل۔"

"متوتو یہاں کا باشندہ نہیں تھا۔"

"یعنی یہاں اس قبیلے میں کوئی اسے پہچان نہ سکا؟"

"ہاں!"

"معمولی حیثیت کا آدمی تھا۔" انور نے پوچھا۔

"جب اسے کوئی جانتا ہی نہیں تھا تو حیثیت کے متعلق کیا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔"

”تم میرا مطلب نہیں سمجھے۔“ انور سگر ہٹ کی راکھ جھاڑتا ہوا بولا۔ ”پوچھتا یہ ہے کہ وہ تمہاری طرح مہذب تھا یا تمہارے توکروں کی طرح گتوار۔“

”میں نے اس کی لاش نہیں دیکھی تھی۔“

”اڑے بھی کچھ سناتا ہو گا۔ اُس کا بابس کیسا تھا؟“

”چونکا دینے والا۔“ محمود سکرا کر بولا۔

”یعنی.....!“

”وہ بالکل زیگا تھا.....!“

”میں سچیدگی چاہتا ہوں.....!“ انور تخت لجھ میں بولا۔

”جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ حقیقت ہے۔“

”پولیس کس نتیجے پر پہنچا۔“

”ابھی تک تو کسی نتیجے پر نہیں۔“

انور کچھ کہنے والہ تھا کہ دھڑا چوک پر۔ ابھی ابھی اس نے کچھ سناتا۔ اس نے متی خیز انداز میں محمود کی طرف دیکھا اور پھر چھاٹک کے قریب ایک نوافی قبیہ سنائی دیا۔ وحشیانہ قبیہ۔ ایسا قبیہ جس میں سرت کے بجائے خوفناک قسم کا کھوکھلا پن تھا۔ ایسا قبیہ جس میں کسی قسم کی تحریک کا شاپر بھی نہ تھا۔

انور چھاٹک کی طرف مڑا۔ چوکیدار نے چھاٹک بند کر دیا تھا۔ ایک لاکی سلانچس تھا سے چھاٹک کو چھنجوڑ رہی تھی۔ اس نے دھانی رنگ کے سانچ کا سوت پکن رکھا تھا۔ بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ چہرہ انگارہ ہو رہا تھا اور ہر ہدی ہر ہدی آنکھیں اندر ہیری رات کے ستاروں کی طرح روشن تھیں۔ اس نے پھر قبیہ لگایا۔ انور محمود کی طرف مڑا۔

”یہ وہی ہے۔“ محمود آہستہ سے بولا۔ اس کے چہرے پر زردی چھاگئی۔

”کون.....وہی پاگل لاکی۔ جس کا تم نے تذکرہ کیا تھا۔“

محمد نے سر ہلا دیا۔

”چوکیدار کو کہو چھاٹک کھول دے۔“ انور نے کہا۔

”فیض.....!“

”کیوں.....!“ انور اے گھورتا ہوا بولا۔

”اگر اس کی جان لیتا چاہتے ہو تو ضرور کھلوا دو۔“

”کیوں.....!“

”اگر شاہدہ کو خبر ہو گئی تو وہ اسے شکاری کتوں سے نجات دے لے گی۔“

”کیوں.....!“

”وہ کہتی ہے کہ جس دن اس نے ہمارے کپڑا وغیرہ میں قدم رکھا میں اس پر شکاری کتے چھوڑ دوں گی۔“

”اس کی وجہ۔“

”بھی وجہ میں کیا جاؤں۔“ محمود اکٹا کر بولا۔

”انور اٹھ کر چھاٹک کی طرف بڑھا۔ اس کے اٹھنے ہی رشیدہ بھی اس طرح اٹھی جیسے وہ بھی انور ہی کے جسم کا ایک حصہ ہو۔ انور چھاٹک کے قریب پہنچ چکا تھا۔ لڑکی کو قریب سے دیکھتے ہی وہ بہوت ہو گیا۔ اس کی دشمنت زدہ آنکھوں میں بالا کی کشش تھی اور ہوتوں پر ایک بیباک مسکرا ہٹ پڑھہ تھمایا ہوا تھا۔ رشیدہ انور کے پیچے کھڑی اسے گھور رہی تھی۔

”تم کیا چاہتی ہو۔“ انور نے پوچھا۔

”تھہار اسر.....! تھہارے سنبھالے اپنی مٹھی میں جکڑ کر تھہاری گردن اتار لوں گی اور پھر راستے بھر تھہارے کئے ہوئے سر سے خون کے قطرے پکتے جائیں گے۔ میں جکدے ہے کی میں ہوں۔ میرے گلے میں کھوپڑیوں کی مالا ہے۔“

”تم بہت خوبصورت ہو۔“ انور آہستہ سے بولا۔

”تم بھی خوبصورت ہو۔“ وہ قیچہ لگا کر بولی۔ ”خوبصورت مردوں کا خون بہت لذیغ ہوتا ہے۔ اس بڑی موچھوں والے کو بھی یہاں بیا۔“ میں اس کے گالوں کا گوشت چباؤں گی۔“

انور نے مز کر دیکھا محمود اپنی جگہ پر خاموش بیٹھا تھا۔

”ہٹاؤ بھی کیوں پاگل کے منہ لگتے ہو۔“ رشیدہ آہستہ سے بولی۔

"اخاہ یہ کون رکھی ہے۔" لڑکی رشیدہ کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ "اس کی رگوں میں خون کی بجائے شہد معلوم ہوتا ہے۔ جاؤ اسے کھا جاؤ۔ اسکی بوئیاں نوج کر ہو لے ہو لے چاؤ۔"

"لیکن میں تو تمہاری بوئیاں چیانا چاہتا ہوں۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"ادھر ہو...!" رشیدہ نے انور کا بازو پکڑ کر اسے چیپے دھکیل دیا اور خود لڑکی سے بولی۔

"چاؤ..... بھاگ جاؤ..... نہیں تو حویلی والے تمہارے چیپے شکاری کتے چھوڑ دیں گے۔"

لڑکی نے ایک فلک شگاف قبچہ لگایا اور بولی۔ "تو کیا میں اس بڑی موٹھوں والے سے ڈرتی ہوں۔ وہ میرے بیکر چاٹتا ہے اور میں کسی دن حویلی کو الٹ دوں گی۔ میں خود ایک شکاری کتیا ہوں۔ تمہاری گردن میں اپنے نوکیلے دانت چھبو کر خون چوس سکتی ہوں۔"

"بھاگ جاؤ..... بھاگ جاؤ..... میں یقین کرتی ہوں شکاری کتے جھمیں نوج ڈالیں گے۔"

"میں اس سے نہیں ڈرتی۔" لڑکی سنجیدگی سے بولی۔ "میں تو چاہتی ہوں کہ میرے جسم کے پر نچے اڑ جائیں۔ خون کے فوارے اڑیں جب میں اپنی زخمی ہونٹوں پر زبان پھیر دوں تو نہ کیں خون۔" اس طرح اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی جیسے یقین اس کے ہونٹوں میں خون ہو۔

دفعتا اندر سے کتوں کے بھوکلنے کی آواز سنائی دی۔ رشیدہ نے پلٹ کر دیکھا۔ محمود کی بیوی شاہدہ تین خطرناک کتوں کی زنجیریں تھامے برآمدے سے اتر رہی تھی۔

"انور خدا کے لئے اسے بھاگا دو.....!" "محمود چھپا۔"

شاہدہ آہستہ آہستہ پھاٹک کی طرف آرہی تھی۔

"وہ دیکھو.....! وہ رہے کتے۔ جلدی بھاگو۔" رشیدہ نے سلاخوں سے باہر ہاتھ نکال کر اسے دھکیلتے ہوئے کہا۔

"یہ حویلی الٹ جائے گی۔" لڑکی چیخ کر بولی۔ "میں نہیں جاؤں گی۔ میں ان کتوں کو کھا جاؤں گی۔"

انور پھاٹک کی طرف چھپتا اور دوسرے ہی لمحے میں وہ پھاٹک کے باہر تھا۔ چوکیدار نے پھر پھاٹک بند کر دیا۔ انور لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر گھسیتا ہوا ایک طرف دوڑ نے لگا۔ لڑکی پہلے تو لڑکہ رائی

پھر وہ بھی کوئی تحریر کے بغیر اس کے ساتھ دوڑنے لگی۔

ادھر محمود اپنی بیوی سے الجھ پڑا۔

”کیا تم بھی پاگل ہو گئی ہو۔“

”میں اپنے معاملات میں دل اندازی پسند نہیں کرتی۔“ شاہدہ نے تنگی سے کہا۔

”لوگ کیا کہیں گے۔“ محمود بے بی سے بولا۔

”مجھے کسی کی پرداہ نہیں۔“

”مگر..... وہ اندر کب آئی تھی۔“

”خیر بھی تو ہاتھ لے گی۔“ وہ کتوں کو لے کر حوصلی کی طرف مڑتی ہوئی بولی۔

”آخر کیوں؟“ محمود پرساخت بولا۔

شاہدہ قہر آلو دانداز میں پہنچی اور شعلہ بازنگا ہوں سے محمود کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر کتوں کی زنجیریں کھینچتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

آتشی پرندہ

انور لاک کی کاہاتھ تھا مے قبیلے کے دیران حصے میں دوڑ رہا تھا۔

”خیبرو..... خیبرو..... سور کے پچھے اب مجھ سے نہیں دوڑا جاتا۔“ وہ بہانتی ہوئی بولی۔

انور نے اس کاہاتھ چھوڑ دیا اور وہ ایک کھیت میں گر پڑی۔

”اگر میں اس وقت نہ ہوتا تو شکاری کتے تمہارا خاتمہ کر دیتے۔“ انور کھیت کی میمنڈھ پر بیٹھتا ہوا بولا۔

لڑکی بھی انہ کر بیٹھ گئی۔

”تم کسی شکاری کتے سے کم ہو۔“ لاک کی قہقہہ لگا کر بولی۔ ”کیا تم مجھے نہیں فوچو گے۔“

”نی الحال تو ارادہ نہیں ہے۔“ انور سگریٹ سلاکاتا ہوا بولا۔

"ایک سگریٹ مجھے بھی دو۔" لڑکی نے ملجنیاں انداز میں کہا۔

"کہیں اپنے کپڑوں میں آگ نہ کالیں۔"

"کیا مجھے پاگل سمجھتے ہو۔"

"نمیں قطعی نہیں۔" انور اس کی طرف سگریٹ کیس بڑھاتا ہوا بولا۔

لڑکی نے سگریٹ لے کر سلاکایا اور پہلے ہی کش میں بُری طرح کھانے لگی۔

"تم بہت اچھے آدمی ہو۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔ "یہاں کے لوگ بہت بُرے ہیں۔ کوئی

مجھ سے بات تک نہیں کرتا۔ عورتیں مجھے گھر ووں میں گھنے نہیں دیتیں۔ بچے مجھ سے ڈرتے ہیں۔

میرا بھائی بہت ظالم ہے وہ مجھے زنجیر ووں میں جکڑ دیتا ہے۔"

"چ چ.....!" انور ہمدردانہ انداز میں بولا۔ "واقعی بہت بُری بات ہے۔"

"میں کسی دن سب کو تباہ کر دوں گی۔"

"ضرور..... ضرور..... لیکن یہ تو تباہ کہ تم نے یہ بہروپ کیوں بھرا ہے۔"

"بہروپ..... کیسا بہروپ..... ضرور تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

دفعتا انور کی نگاہ جنگل کی طرف اٹھ گئی۔ چاروں طرف اندر چل گیا تھا۔ اسے باتوں کی

رو میں وقت کا بھی احساس نہیں رہ گیا تھا۔

"چلو تھیں تمہارے گھر پہنچا دوں۔" انور نے لڑکی سے کہا۔

"میں کوئی بچہ ہوں۔" وہ بگڑ کر بولی۔ "جب میرا دل چاہے گا خود چلی جاؤں گی۔"

دفعتا انور چوک پڑا۔ جنگل کی طرف سے کوئی روشن اور متحرک چیز فضائیں پرواز کرتی ہوئی

اسی طرف آ رہی تھی۔ لڑکی نے ایک چیخ ماری اور بے تھاش جنگل کی طرف دوڑ نے لگی۔ انور نے

اسے پکڑنا چاہا لیکن پودوں کے جھکڑ میں الجھ کر گر پڑا۔ تھوڑی دیر بعد لڑکی کے قیقبے کہیں دور نتائی

دے رہے تھے۔

چند لمحوں کے بعد پرواز کرتی ہوئی روشن چیز صاف دکھائی دینے لگی۔ یہ وہی آتشی پرندہ تھا

جس کے لئے انور یہاں آیا تھا۔ اس کا جسم انگارے کی طرح دمک رہا تھا۔ اڑان بیچ کبوتر

بھی تھی۔ انور خائف تو نہیں ہوا لیکن حیرت کی زیادتی کی وجہ سے وہ اپنی جگہ پر جم سا گیا تھا۔

اُس کی زندگی میں یہ اپنی طرز کا انوکھا واقعہ تھا ہے وہ کوئی محنت نہ پہنچا سکا۔
دوسرا سے لجے میں وہ اُس کے تعاقب میں دوڑ رہا تھا۔

پرندے نے پورے قبیلے کا چکر لگایا اور پھر ایک عمارت کے گرد منڈلانے لگا۔ پورے قبیلے میں سنانا چھا گیا تھا۔ کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔ پرندہ اسی عمارت کا طواف کر رہا تھا۔ دھلتا اندر سے ایک آدمی ہاتھ میں رانفل لئے ہوئے تھا۔ اُس کے ساتھ ”آدمی“ اور تھے جیسے ہی اُس نے رانفل اٹھائی دنوں آدمیوں نے اس کے ہاتھ پکڑ لئے۔

”پاگل نہ بنوڑا کثر معلوم نہیں کیا حادثہ ہو۔“ ایک بولا۔

”تو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں بھی اپنا گھر جتا ہوا دیکھوں۔“ رانفل والا بولا۔
”پھر بھی یہ خطرناک ہے۔“

”میں ڈر پوک نہیں ہوں۔“ رانفل والے نے کہا اور نال سیدھی کرنے لگا۔ ان دنوں نے پھر اسے روک دیا۔

پرندہ بدستور عمارت کا چکر لگا رہا تھا۔

انور آہستہ آہستہ ان لوگوں کی طرف بڑھا۔ قبل اس کے وہ لوگ اس کی طرف مرتے انور رانفل چھین چکا تھا۔ ان لوگوں کی حرمت رفع ہونے سے پہلے ہی اس نے پرندے پر گولی چاہدی۔ ایک زبردست دھماکہ ہوا اور فھاٹیں بے شمار چنگاریاں منتشر ہو گئیں۔ پرندے کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ چنگاریاں زمین پر گرنے سے قبل ہی شختہ ہو گئیں اور پھر چاروں طرف ایک بے کراں سنانا چھا گیا۔

”تم کون ہو۔“ ایک آدمی انور کی طرف بڑھتا ہوا خوفزدہ آواز میں بولا۔

لوگ اپنے گروں سے نکل کر ان کے گرد اکٹھا ہونے لگے تھے۔

انور نے کوئی جواب دینے کی بجائے رانفل خاموشی سے اس کے ہاتھ میں تھادی۔ کسی نے اس کے چہرے پر بر قی تاریخ کی روشنی ڈالی۔

”آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔“ کسی نے پوچھا۔

”حوالی کا ایک مہمان۔“ انور پرطمینان لجے میں بولا اور سگریٹ سلاکا نے لگا۔

”لیکن یہ آپ نے کیا کیا؟“

”تو کیا آپ لوگوں کو اس خوفناک پرندے سے محبت تھی۔“ انور نے مسکرا کر پوچھا۔

”بھی نہیں۔“ ایک آدمی سخت لبجھ میں بولا۔ ”اب اگر ہمارے اوپر کوئی نئی مصیبت نازل ہوئی تو۔“

”مجھے اس کی توقع نہیں۔“

”لیکن یہ دھماکہ کیسا تھا۔“ کسی نے کہا۔

”روایات کے مطابق شاید آج اس عمارت کی باری تھی۔“ انور نے کہا۔

”آپ تمیک کہتے ہیں۔“ رانفل دلا انور کے کانہ سے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ”میں آپ کا شکر گزار ہوں یہ لوگ مجھے کبھی کوئی نہ چلانے دیتے۔“

چھروہ انور کا ہاتھ پکڑ کر اسے عمارت کے اندر لے جانے لگا۔

”آج یقیناً یہ عمارت را کھا کا ذہیر ہوتی۔“ وہ آدمی بولا۔ ”مجھے قطعی اس بات کا خوف نہیں ہے کہ اب کیا ہو گا۔“

انور اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک طویل القامت اور مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ عمر تیس اور چالیس کے درمیان رہی ہو گی۔ اپنے ہاتھوں میں ساکت آنکھیں اس کی داشمندی اور ذہانت کا ثبوت دے رہی تھیں۔ لبجھ میں خبر ادا اور گفتگو کا پرسکون اندراز مستقل مژاہی کا انطباق کر رہا تھا۔

”میں ڈاکٹر ہوں۔“ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”مجھے فصیر الرحمن کہتے ہیں۔“

”میرا نام انور سعید ہے۔“

”آپ یہاں کب آئے۔“

”آج ہی۔“

”آپ کو اس پرندے کے متعلق پہلے سے معلوم تھا۔“

”نہیں، اس قسم کا پرندہ میں نے آج پہلی بار دیکھا ہے۔“ انور نے کہا۔

”اور ہم تو ہاتھوں سے دیکھ رہے ہیں۔“ ڈاکٹر فصیر مصلح آواز میں بولا۔ ”متعدد مکانات

جل گئے۔“

”آپ کا اس پرندے کے متعلق کیا خیال ہے۔“

”میرا خیال۔“ ڈاکٹر نصیر فلک مرد بجھے میں بولا۔ ”قدیم اور جدید پرندوں کی تاریخ میں کہیں ایسے پرندے کا ذکر نظرتوں سے نہیں گزرا۔ ضعیف الاعتقاد لوگوں کی طرح یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کوئی خبیث روح ہے۔ حقیقت تو یہ ہے انور سعید صاحب کہ میں خود ابھی تک کسی تینے پر نہیں پہنچ سکا۔“

”اور اس دھماکے کے متعلق جو اس پر گولی پڑتے ہی پیدا ہوا تھا۔“

”وہ بھی تحریر نہ تھا اور وہ چنگاریوں کا انتشار.....“ ڈاکٹر نے آہست سے کہا اور انور کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

انور کچھ کہنے لی وala تھا کہ دوسرے کمرے میں اسی پاگل لڑکی کا قبضہ سنائی دیا اور ڈاکٹر کا پھرہ تاریک ہو گیا۔

”اوہ معاف کیجئے گا مسٹر انور۔“ وہ انتہا ہوا بولا۔ ”میں ابھی حاضر ہوا۔“

ڈاکٹر دوسرے کمرے میں چلا گیا اور انور آرام کری پر دراز ہو گیا۔

لڑکی کے چینخ اور قبیله لگانے کی آوازیں برابر آرہی تھیں۔ تحوزی دیر بعد ڈاکٹر واپس آگیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور ٹکلیں بھیکی ہوئی تھیں۔

”وہ میری بہن تھی۔“ ڈاکٹر بھرا آواز میں بولا۔ ”اس کا دماغی توازن گدگیا ہے اور میں بالکل بے بس ہوں۔ میں اس کے لئے کچھ نہ کر سکا۔“

”نجیے افسوس ہے اور ساتھ ہی آپ سے ہمدردی بھی۔“ انور نے کہا۔ ”میں اس کے متعلق سن چکا ہوں کیا یہ صحیح ہے کہ وہ زنجیریں توڑ ڈالتی ہے۔“

ڈاکٹر خاموشی سے انور کو دیکھتا رہا پھر اچاک بولا۔

”قطیع غلط! لوگ مبالغہ آرائی کر رہے ہیں۔ سبی نہیں بلکہ یہاں یہ افواہ بھی سنی جاتی ہے کہ وہ آتشی پرندہ کوئی آسیب تھا جس سے سلیمان مثار ہے۔ بات یہ نہیں ہے۔ میں خود تک آکر اسے کھول دیتا ہوں۔ اس کی دردناک چینخیں مجھ سے نہیں سنی جاتیں۔ انور صاحب میں اسے بہت چاہتا ہوں، وہ پاگل ضرور ہے لیکن آج تک اس نے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔“

"یہ کیفیت کب سے ہے؟" انور نے پوچھا۔

"بچپن ہی سے۔" ڈاکٹر کے لبھ میں بچکچا ہٹ تھی۔

"واقعی افسوس ناک بات ہے۔"

تمہوڑی دیری سک خاموشی رہی۔ پھر ڈاکٹر بولا۔

"کیا آپ حومی والوں کے کوئی عزیز ہیں؟"

"نہیں..... محمود میرا دوست ہے۔ میں چھٹیاں گزارنے کے لئے یہاں آیا ہوں۔"

"آپ یہاں پہلی بار آئے ہیں۔"

"جی ہاں.....!" انور نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اچھا اب اجازت دیجئے۔"

"مسٹر انور آپ کا احسان مند ہوں۔" ڈاکٹر نے اٹھ کر اس سے ہاتھ ملا تے ہوئے کہا۔

انور باہر نکل آیا۔ چاروں طرف اتحادہ سنائی تھا۔ مکانوں کی کھڑکیوں اور روشندانوں سے مدمم روشنی چھمن رہی تھی۔ انور کے قدموں کی آواز سنائی میں گونج رہی تھی۔ دفعتا کتے بھوکنے لگے۔ دو ایک نے انور پر جھینکی بھی کوشش کی، لیکن وہ مدھم سروں میں سیٹی بجا تا ہوا نہایت اطمینان سے چلتا رہا۔ تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر سے کسی نے اس کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور قدموں کی آہنیں اس کے قریب آتی گئیں۔

"یہ تم نے کیا کیا؟" کسی نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"کون محمود.....!" انور کر کر بولا۔

"میں تمہاری علاش میں نکلا تھا۔" محمود نے کہا۔ "چھی ماں بہت ناراض ہیں۔ پر عدرے پر

رانقل چلانے کی خبر ان سک پہنچ گئی ہے۔ دھماکے کی آواز تو ہم لوگوں نے بھی سنی تھی لیکن وہ

رانقل کی آواز سے کئی گناہ زیادہ تھا۔"

"ہاں.....!" انور آگے بڑھتا ہوا بولا۔ دونوں حومی کی طرف واپس جا رہے تھے۔

"اس دوران میں رشیدہ نے انہیں تمہارے جنگلی پن کے بیتھرے قصے سناؤالے ہیں۔"

مودو نے کہا۔

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ تمہوڑی دیری سک خاموش رہنے کے بعد بولا۔

”میں کل واپس چلا جاؤں گا۔“

”کیوں.....؟“

”میں اسی پرندے کی حقیقت کا انکشاف کرنے کے لئے آیا تھا۔ لہذا جس طرح میرا دل
چاہے گا کام کروں گا۔“

”میں نے کچھ نہیں کہا۔“ محمود جلدی سے بولا۔ ”تم ان کی باتوں کا کچھ خیال نہ کرنا۔“

”میں ان تکلفات اور ڈھکوسلوں کا عادی نہیں۔“ انور منہ بنا کر بولا۔ ”ہاں یا نہیں۔.....

دریانی گنگو سے مجھے چڑھے ہے۔“

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔“ محمود بے چینی سے بولا۔

”خیر چھوڑو.....! ڈاکٹر کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔“ انور نے کہا۔

”اچھا آدمی ہے.....بہت نیک اور بہت شریف۔“

”اور اس کی بہن.....اُسے تو تم خود ہی دیکھ چکے ہو۔“ محمود نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ اس کا دماغی خلل زیادہ پر اتنا نہیں۔“

”کیا مطلب.....!“ محمود چوک کر بولا۔ ”لیکن.....لیکن.....ڈاکٹر کا تو سبھی بیان ہے۔“

”یہ رض جوانی سے پہلے کا نہیں معلوم ہوتا۔“

”کیوں یہ تم کس طرح کہہ رہے ہو؟“

”تجربے کی بناء پر.....اس کی ساری باتیں اذیت پسندوں چیزیں ہوتی ہیں۔ خون پیٹا.....

گوشت چبانا وغیرہ وغیرہ..... کیا یہ سب چیزیں اس کی کچلی ہوئی جنسیت کی طرف اشارہ نہیں
کرتیں۔ جسی احساس سے پہلے کی خلل دماغی کی یہ علامات نہیں ہوتیں۔“

محمود نے کوئی جواب نہ دیا۔

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ شدیدہ اس پر شکاری کتے کیوں چھوڑنے جلدی تھی۔“ انور نے پوچھا۔

”میں خود بھی سوچتا ہوں کہ وہ اس سے پر خاش کیوں رکھتی ہے۔“ محمود نے کہا۔

”شادہ تمہارے خاندان ہی کی لڑکی ہے۔“

”ہاں.....!“ محمود چوک کر بولا۔ ”لیکن تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔“

”کچھ نہیں، یونہی۔“ انور نے کہا اور کر کر سگر ہٹ سلاکا نے لگا۔

تحوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر محمود نے پوچھا۔

”تم ڈاکٹر کے بیہاں تھے۔“

”ہاں.....!“ انور بولا۔ ”مجھے سلیم سے ہمدردی ہے۔“

”یعنی.....!“

”یعنی کیا؟ کیا میں اس یعنی کا مطلب پوچھ سکتا ہوں۔“

”کچھ نہیں.....کچھ نہیں۔ میں دراصل شہدہ کے آج کے رو یہی کی وجہ سے پریشان ہوں۔“

”آخر تم اس سے خائف کیوں رہتے ہو۔“

”خائف؟ نہیں تو..... بات یہ ہے کہ میں ہنگامہ نہیں پسند کرتا۔“

”تو تم دونوں کے تعلقات ناخنگوار ہیں۔“

”نہیں ایسا بھی نہیں ہے؟“

”تو کیا بناۓ محاصرت ڈاکٹر کی بہن ہے۔“

”نہیں تو..... نہیں تو..... بھلا وہ کیوں ہونے لگی..... بالکل نہیں۔“

”مجھ سے اڑنے کی کوشش فضول ہے۔“ انور سنجیدگی سے بولا۔

”تم نہ جانے کیا اتنی سیدھی ہاکم رہے ہو۔“

”بالکل سیدھی ہاکم رہا ہوں پیداے۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”میری نظریں دور ہک پہنچ رہی ہیں۔“

”بیکار باتیں مت کرو۔“

”خیر..... خیر..... دیکھا جائے گا۔“

محمود نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ اس کی زفار پچھست پڑ گئی تھی۔

جنگل

وسرے دن صبح ہی صبح انور نے شکار کھیلنے کی تجویز پیش کر دی۔ چھپلی رات رانی صاحبہ اس

سے بڑی دیر تک بحث کرتی رہی تھی، لیکن انور نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے ان کی بزرگی پر حرف آتا۔ رشیدہ کے لئے یہ بات تجھ بخیز رہی تھی۔ اُس نے انور کو کبھی ایسے مودہ میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ دل میں ڈر رہی تھی کہ کہیں انور کوئی آٹھی سیدھی بات نہ کر بیٹھے۔ اس کے دل میں رانی صاحبہ کے لئے بے پناہ احترام کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ جس کی حرک رانی صاحبہ کی مامta تھی۔ انور کو نہ رہا بھلا کہتے وقت بھی اُن کے لبھ میں تنگی کے بجائے مامta تھی لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ انور اس چیز سے قطعی مسائز نہیں تھا۔ اس کے ذہن میں صرف یہ خیال تھا کہ اگر وہ رانی صاحبہ سے لڑ بیٹھا تو اُسے حوصلی سے چلا جانا پڑے گا اور آٹھی پر ندے کا وجود ہمیشہ کے لئے پردہ راز میں چھپ جائے گا۔ گاؤں والے اُس کی رات والی حرکت پر اُس سے الٹھ چکے تھے۔ انہیں صرف اس بات کا خیال تھا کہ انور رانی صاحبہ کا مہمان تھا ورنہ شاید اس کو اُسی وقت گاؤں چھوڑ دینا پڑتا۔ پھر بھی گاؤں میں اس کے خلاف کافی پروپیگنڈا ہو گیا تھا اور گاؤں والے کسی تازہ مصیبت کے خطر تھے۔

حوصلی میں تربیت قریب ہر فرد نے اس واقعے پر تبرہ میں حصہ لیا تھا لیکن محمود کی بیوی شاہدہ بالکل خاموش تھی اور خاموشی بھی اسی جس سے بے تعلقی ظاہر ہوتی تھی۔

انور محمود اور رشیدہ شکار کے لئے تیار ہی تھے کہ ایک ٹھنڈی کوئی میں داخل ہو جسے دیکھتے ہی محمود کی پیشانی پر مل پڑے گئے۔ اس نے سفید چلوں اور سفید ٹھنڈیں پہن رکھی تھی۔ عمر پچیس اور تیس کے درمیان تھی۔ قد متوسط چال سے رعنوت ظاہر ہوتی تھی۔ کسی طرح دیکھتے وقت پر غرور انداز میں ہنریں تان لیتا تھا۔

رانی صاحبہ بھی اس کی آمد پر خوش نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ انور کی نظریں بے اختیار شاہدہ کی طرف اٹھ گئیں جو آنے والے کو خاص توجہ کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔

”کیوں بھی محمود نے بھی شکار کھلنا شروع کر دیا۔“ وہ محمود کی رائفل کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

”کیوں.....؟“ محمود ایسے لبھ میں بولا جیسے اُس پر جھپٹ پڑے گا؟“

”میں نے کہا اس کی آواز سے تمہارا دل نہ دھڑکنے لگے گا۔“ اس نے کہا اور بے ڈھنک پن سے بٹنے لگا۔

”عمران.....!“ رانی صاحبہ غصے سے بولیں۔

”میں غلط نہیں کہ رہا خالد صاحب۔“

محمود سے اس طرح گھور رہا تھا جیسے کچا چبا جائے گا۔

”اور یہ وہی صاحب ہیں جنہوں نے رات اُس پرندے پر کوئی چلائی تھی۔“ اس نے انور کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”جتاب والا.....!“ انور قدرے جھک کر بولا۔

”آدمی رنگ باز معلوم ہوتے ہو۔“

”عمران.....!“ رانی صاحبہ پھر گر جیں۔

”میں اس وقت نہ میں نہیں ہوں خالد صاحب۔“ وہ مسکرا کر بولا۔

”عمران.....!“ رانی صاحبہ کھڑی ہو کر بولیں۔ ”ادھر آؤ میرے ساتھ۔“

وہ ایک دوسرے کمرے کی طرف مڑیں۔ عمران اُن کے پیچے تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے وقت اُس نے مسکرا کر رشیدہ کی طرف دیکھا اور رشیدہ نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔

محمود کا مودہ خراب ہو گیا تھا لیکن وہ اپنی خوش مزاجی برقرار رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

تحوڑی دیر بعد اُن کی بیتل گاڑی اوپنے نیچے راستوں سے گذرتی ہوئی جگل میں داخل ہو رہی تھی۔ محمود کی تجویز تھی کہ شکار کے لئے کارہی استعمال کی جائے لیکن رشیدہ بیتل گاڑی پر اڑ گئی۔ وہ دیہاتی زندگی سے اچھی طرح لطف انداز ہوتا چاہتی تھی۔

”یہ کون بزرگوار تھے۔“ انور نے محمود سے پوچھا۔

”چھی اماں کے بھائے ہیں۔“ محمود تغیر آمیز لمحے میں بولا۔

”رانی صاحبہ اس سے خوش نہیں معلوم ہوتیں۔“

”خاندان میں کوئی خوش نہیں ہے۔ کسی دن میرے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہو گا۔“

”کیوں.....؟“

"تم نے دیکھا نہیں شاہد کو میرے خلاف بھڑکانے میں اس کا بہت بڑا حصہ ہے۔"
"آخر ایسا کیوں۔"

"حد اجھن اسلئے کہ میں پچھا کی جائیداد کا وارث ہوں اور چھپی المان اسے من نہیں لگاتیں۔"
"شاہد کا اس سے کیا رشتہ ہے۔"

"پھوپھی زاد بہن ہے۔"

انور خاموش ہو گیا۔ اُس کی نظریں دور تک پھیلے ہوئے جگل کا جائزہ لے رہی تھیں۔
"ایمیں تک ہمیں شکار نہیں ملا۔" رشیدہ بولی۔

"جھیل پر کچھ آبی پرندے ملیں گے۔" محمود نے کہا۔

"رشو کا خیال تھا کہ شاید شکار ہاتھ باندھے ہوئے ہمارے سامنے آ کر تکڑا ہو جائے گا اور
کہے گا جو حراج یار میں آئے یا شاید.....!" انور کچھ اور کہتے کہتے رک گیا۔ اُس کی نگاہیں
کروندے کی کائنے دار جھاڑیوں کے سلسلے پر جنم گئیں تھیں۔

"کیا سہی وہ کروندے کا جگل ہے۔" انور نے محمود سے پوچھا۔

"ہاں.....!"

"اور اسے پار کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔"

"میں نے خود کبھی کوشش نہیں کی..... ویسے سنا ہی ہے۔"

"لیکن..... وہ دھواں کیسا ہے۔ کیا ادھر بھی آبادی ہے۔"

"ہاں..... ادھر بھیلوں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں، جنہیں کروندے کے جگل نے کم از کم
ہمارے قبے سے الگ کر دیا ہے۔"

"یہ سلسلہ کتنا دفعہ ہے۔"

"شاہید پندرہ یا تیس میل..... دوسری طرف شوری ندی درمیان میں حال ہو گئی ہے اور اس
طرح مہذب علاقے بھیلوں کی دستبرد سے آزاد ہو گئے ہیں۔ لیکن گرمیوں ہٹنے زمانے میں جب
ندی کا پانی کم ہو جاتا ہے وہ دوسری طرف کے علاقے میں ڈاکے ڈالنا شروع کر دیتے ہیں۔"

"تم نے شاید سہی بتایا تھا کہ وہ پرندہ اسی طرف سے آیا کرتا تھا۔"

”قبے میں سبی مشکور ہے..... خود مجھے اتفاق نہیں ہوا۔“

دھنگا کہیں دور موڑ سائکل کی آواز سنائی دی۔

”کیا یہ جیل موڑ سائکل بھی چلاتے ہیں۔“ رشیدہ چونک کر بولی۔

”آواز ادھر سے نہیں آ رہی ہے۔“ محمود ہوت سکوڑ کر بولا۔ ”یہ عمران معلوم ہوتا ہے اور

ادھر ہی آ رہا ہے۔ اس میں یہ خبط ہے۔ وہ تم لوگوں کے سامنے مجھ پر اپنی برتری جانے کی کوشش کرے گا۔“

”خوب..... آدمی دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔“ انور مسکرا کر بولا۔

تحوڑی دیر بعد موڑ سائکل دکھائی دی۔ عمران اپنے کام سے پر رانفل لٹکائے جبل گاڑی کی طرف آ رہا تھا۔ اُنکے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ان پر دھول جھوٹکتا ہوا موڑ سائکل آ گئے کھال لے گیا۔

”غابا جیل کی طرف گیا ہے۔“ محمود غصے میں بولا۔ ”اب شکار ملنے کی توقع نہیں۔“

”فکر مت کرو۔“ انور نے کہا۔ ”میں اس سے جان پچھان پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ جیل کتنی دہر ہے۔“

”قریب ہی ہے تھیں اس سے مل کر خوشی نہ ہوگی۔“ محمود بولا۔

”کیوں انور کوئی نئی شرارت سو جھی۔“ رشیدہ نے کہا۔

”نہیں رشو..... وہ بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ میں اپنے کسی مقصد کے لئے اُسے استعمال بھی کر سکوں۔“

”کس مقصد کے لئے.....!“ محمود چونک کر بولا۔

”جس مقصد کے لئے یہاں آیا ہوں۔“

”مگر تم نے تو کل ہی اُسے نشانہ بنادیا۔“

”نہیں پیارے تمہارا خیال غلط ہے۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”وہ آسانی سے اس قبے کا پچھا

نہیں چھوڑ سکا۔“

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔“

”مطلب یہ کہ شاید مجھے آج بھی اُس پر فائز کرنا پڑے۔“

”مودود اس کی طرف دیکھنے لگا۔“

”تمہارا اس کے متعلق کیا خیال ہے۔“ رشیدہ نے انور سے پوچھا۔

”کسی آدمی کی شرارت۔“

”لیکن یہ چیز میری بحث میں بھی نہیں آتی۔ کل رات میں نے اُسے جو میلی سے دیکھا تھا۔“

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی نگاہیں بدستور کرونے کی نجماڑیوں پر جمی ہوئی تھیں۔

”وہ دیکھو..... اس سمجھت نے فائز شروع کر دیئے“ محمود جملائے ہوئے لبھے میں بولا۔

”خواہ تکواہ پرندوں کو اڑا رہا ہے۔“

”ممکن ہے شکاری کھل رہا ہو۔“ انور نے کہا۔

”اگر وہ پوائنٹ ٹونو بور کی رانفل لے کر گیا ہوتا تو میں قطعی یہ نہ کہتا۔“

تحوڑی دریں بعد وہ جیبل پر پہنچ گئے۔ عمران کی موڑ سائیکل ایک طرف کھڑی تھی اور وہ گھاس

پر اونٹ حالیٹا پاپ پی رہا تھا۔

”کیا یہاں جیبل پر کھڑاں بھی ہیں۔“ انور بلند آواز میں بولا۔

”نہیں تو.....!“ محمود نے کہا۔

”وہ پھر ادھر کنارے پر کیا پڑا ہے۔“ انور اسی لبھے میں بولا۔ ”ادھر لا جوں والا تو..... کوئی

آدمی ہے۔“

عمران اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ اس کے ہوتوں پر شرات آمیز مسکراہٹ تھی اور آنکھیں رشیدہ پر جمی ہوئی تھیں۔

”رشو.....!“ انور آہت سے بولا۔ ”کیا خیال ہے۔“

”اس سے ہم لوگوں کا تعارف کر دیجئے۔“ رشیدہ نے محمود سے کہا۔

”میں اس سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔“

”ہماری خاطر.....!“ انور مسکرا کر بولا۔

محمود ایک لمحے کے لئے بالکل ساکت ہو گیا۔ پھر عمران کو خاطب کر کے بولا۔

”تو تم نے سب پرندے اڑا دیئے۔“

”پھر.....؟“ انور اسے سوال۔ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

”یہ وہ رائقل ہے جس سے ہاتھیوں کا شکار کیا جاتا ہے۔“ وہ اپنی رائقل کی طرف اشارہ کر کے بولا اور انور نے اپنی ناک سکوڑ لی کیونکہ اس کے مند سے دبکی شراب کا بچکا اٹکا تھا۔

”کوئی ہاتھی شکار کیا آپ نے؟“ انور چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

عمران اُسے تین نظروں سے گھومنے لگا۔

”آپ خود کو تمیں مارخاں سمجھتے ہیں۔“ وہ تلخ لبجھ میں بولا۔ ”کل رات والی آتش بازی پر رائقل چلا کر آپ کچھ ضرور ہو گئے ہیں۔“

”آتش بازی؟“ انور تجھر ظاہر کرتا ہوا بولا۔

”جتاب؟“ وہ طنزیہ لبجھ میں بولا۔ ”کسی شریروں کی حرکت۔“

”چھوڑو بھی۔“ محمود انور کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ”یہ اس وقت نئے میں ہے۔“

عمران نے قہقهہ لگایا اور رشیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔ رشیدہ جو بامسکرائی۔

”آپ لوگوں کی تعریف!“

”میرے دوست مسٹر انور اور مس رشیدہ۔“ محمود منہ سکوڑ کر بولا۔

”آپ لوگوں سے مل کر خوشی ہوئی۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔ ”میرا نام عمران ہے اور میں اس قبیل کا ایک شریف آدمی ہوں۔ دیے کچھ لوگ مجھے بدناام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن میں انہیں ایک دن سیدھا کر دوں گا۔“

”ضرور ضرور!“ انور نے سنجیدہ لبجھ میں کہا۔ پھر محمود اور رشیدہ کی طرف مڑ کر کہنے لگا۔

”تم لوگ بیل گاڑی پر شکار کھیلو۔ میں عمران صاحب کے ساتھ موڑ سائکل پر جاتا ہوں۔“

”اوہو ضرور بڑی خوشی سے۔“ عمران موڑ سائکل کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

قبل اس کے محمود کچھ کہتا رشیدہ بول اٹھی۔

”ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ ہم لوگ یہاں انتقال کریں گے۔ شاید کچھ پرندے جمل میں گریں۔“

عمران نے موڑ سائکل اشارت کی اور انور کیسے پر بیٹھ گیا۔

”کس طرف!“ عمران نے پوچھا۔

”کوئی بڑا شکار عمران صاحب۔“ انور آہستہ سے بولا اور موڑ سائکل چل پڑی۔

”بڑا شکار تو اس طرف ہے۔“ عمران کروندے کے جنگل کی طرف اشارہ کر کے بولا۔
”یعنی.....؟“

”جنگلی لڑکیاں.....!“ عمران نے کہا اور ہنسنے لگا۔

”تو پھر ادھر تھی۔“

”کوئی راستہ نہیں۔“

انور خاموش ہو گیا۔ حموزی دیر بعد وہ پھر بولا۔

”وہ آتش بیازی والی بات کیا تھی۔“

” محمود پر رعب ڈال رہا تھا۔“ عمران پچوں کی طرح ہنس کر بولا۔ ”وہ مجھے بدنام کرتا ہے
لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ وہ مجھ سے زیادہ ذلیل ہے۔ آپ جیسے شریف آدمیوں کو اس کے
ساتھ دیکھ کر مجھے حرمت ہوئی تھی۔“

”لیکن وہ اپنی بیوی سے بہت ڈرتا ہے۔“

”مکار ہے..... شاہدہ کے دکھوں سے بھی اچھی طرح واقف ہوں۔“

”یعنی.....!“

”اس کے متعلق کچھ نہیں بتا سکتا۔ میں بہت کمینہ ہوں انور صاحب۔ مگر پھر بھی مجھ میں
حموزی بہت انسانیت ہے۔“

”خیر..... خیر..... مگر وہ پرندہ کیسا تھا۔“ انور نے کہا۔

”آپ نے اس پر کوئی چلا کر اچھا نہیں کیا۔ قبے والے کسی نئی مصیبت کے خطرہ ہیں۔“

”آخوندہ ہے کیا بلا.....؟“

”بھیلوں کا کوئی جادو..... وہ کروندے کے جنگل ہی کی طرف سے آتا ہے۔“

”میں نے تو نا ہے کہ اس کا تعلق ڈاکٹر نصیر کی پاگل بہن سے ہے۔“ انور نے کہا۔

عمران کے منز سے بے اختیار بمحانت بمحانت کی گالیوں کا طوقان پھوٹ پڑا۔

”یہ بھی اسی محمود کے پٹھے کی حرکت ہے۔“

”یعنی.....!“

”اس قسم کی انواعیں ہمیشہ حوصلی سے اڑا کرتی ہیں۔“ عمران جھلائے ہوئے لبجھ میں بولا۔
”آخر کیوں؟“

”یہ میں نہیں جانتا۔ لیکن میں نے یہ محسوس کیا ہے۔“ عمران آہستہ سے بولا۔

”مجھے اس حوصلی کی ایک ایک اینٹ سے نفرت ہے۔“

”مگر رانی صاحب تو آپ کی خالہ ہیں۔“

”ہوں گی۔“ عمران لاپرواں سے بولا۔

انور کی نظریں کرونے کے جھگل کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ واقعی یہ ایک ناقابل عبور جھگل تھا۔ کرونے کی کھنچی اور کانٹے دار جھاڑیاں میلوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ اتنی کھنچی اور بلند تھیں کہ دوسری طرف نظریں نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ ان کے درمیان کہیں کہیں اکاڑہ کا پیپل کے درخت نظر آرہے تھے۔

”تو کیا جنگلی لڑکیاں واقعی اچھی ہوتی ہیں۔“ انور تھوڑی دیر بعد بولا۔

”غصب کی..... اب میں کیا بتاؤں۔“

”تو پھر ادھر پڑنے کا کوئی راستہ پیدا کرو۔“ انور نے کہا۔

”راستے.....!“ عمران خس کر بولا۔ ”وہ راستہ ہمیں جہنم میں پہنچادے گا۔“

”یعنی.....!“

”اول تو راستے ہی ملتا ناممکن ہے اور اگر کسی طرح وہاں پہنچ بھی گئے تو وہ ہمیں نیزدیں کی تھی پر سلاادیں گے۔“

”محمد و محمدیک کہہ رہا تھا۔“ انور آہستہ سے بڑی بڑیا۔

”کیا.....!“

”یہی کتم ڈرپوک ہو۔“

عمران نے موڑ سائیکل روک دی اور پلٹ کر انور کو گھومنے لگا۔

”یہاں سے پندرہ میل کا سفر کرنا پڑے گا۔“ عمران بولا۔

”پرواہ نہیں۔“

”بڑے رنگیلے معلوم ہوتے ہو اور اگر تمہارے ساتھ والی لڑکی کو اس کی اطلاع ہو گئی تو۔“

”تو کیا ہو گا..... وہ صرف میری دوست ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت نہیں فرماتے۔“

”اچھا تو پھر کل پر رکھو۔“ عمران نے کہا۔ ”ہمیں کچھ انتظامات بھی کرنے پڑیں گے۔

دیے تم بہت دلچسپ آدمی ہو۔ کچھ دن اگر میرے مہمان رہو تو کیا حرج ہے۔ تم نے آم کی

شراب بھی نہ پی ہو گی۔ یہ میری ایجاد ہے۔ اگر رائی کی واسکی کامزہ نہ آجائے تو میرا ذمہ۔“

”میں شراب نہیں پیتا۔“ انور نے کہا۔

”تب تم ڈیوٹ ہو۔“ عمران نہیں کر بولا۔ ”آؤ واپس چلیں..... تو پھر شام کو مل رہے ہوئے۔“

قبے میں سب سے اوپر امکان میرا ہی ہے۔ بڑی مسجد کے پاس۔“

”میں تم سے ضرور ملوں گا۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”لیکن جگل والی ایکیم نہ بھول جانا۔“

”یار واقعی تم خطرناک معلوم ہوتے ہو۔“ عمران نے نہیں کر کہا۔

وہ جصل کی طرف لوٹ پڑے۔

محمود اور رشیدہ نتل گاڑی میں بیٹھے اونکھے رہے تھے۔ عمران انور کو چھوڑ کر قبے کی طرف

روانہ ہو گیا۔

”کیوں بھی کچھ طا.....!“ انور نے محمود سے پوچھا۔

”کچھ بھی نہیں۔“ محمود اونکھی لیتا ہوا بولا۔ ”تم کہہ چلے گئے تھے۔“

”کروندے کے جگل میں گھنے کا راستہ تلاش کر رہا تھا۔“

”اوہ..... یار کہیں یہ حادثت بھی نہ کر بیٹھنا۔ ادھر وحشی رہتے ہیں۔“

”لیکن عمران نے ایک ایسی بات بتا دی ہے کہ جانا ہی پڑے گا۔“

”کیا.....؟“ محمود نے متjurانہ انداز میں پوچھا۔

”جگل لے کیا۔“ انور مسکرا کر بولا۔

”کیا مطلب.....؟“ رشیدہ نے اُسے گھور کر کہا۔

”جگل لے کیوں کا کیا مطلب ہوتا ہے؟“ انور نے کہا اور رشیدہ خاموش ہو گئی۔

”ہم لوگوں کی برائی تو خوب کی ہو گی۔“ محمود نے مسکرا کر کہا۔

”نہیں تو..... تم لوگوں کا تذکرہ ہی نہیں آیا تھا۔ وہ زیادہ تر آموں کی شراب اور لڑکیوں کا تذکرہ کر رہا تھا۔“

”بھائی اب چلتا چاہئے۔“ رشیدہ بولی۔

تحوڑی دیر بعد نیل گاڑی قبصے کی طرف واپس چارہ تھی۔

دوسرا فارز

شام کو انور عمران کے گھر سے لوٹتے وقت طرح طرح کے خیالات میں ڈوبا ہوا تھا، جس مقصد کے تحت وہ عمران سے ملا تھا اس میں ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ وہ اس وقت بھی نشے میں ڈوبا بیکی بیکی باتیں کرتا رہا تھا۔ پرندے سے زیادہ اُسے ڈاکٹر کی بہن کے ساتھ محمود اور اس کی بیوی کے متصادروں یے کے متعلق تشویش تھی اور پھر یہ بھی سن چکا تھا کہ ڈاکٹر کی بہن اور اس پرندے کے پراسرار اتعلق کے بارے میں حوصلی ہی والوں نے انہیں پھیلائی تھیں۔

اس نے رشیدہ کے ذریعے بھی اس تھی کو سلب کرنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ رانی صاحبہ بدستور مامتا کی ندیاں بھاتی رہیں اور شاید اونچر مہرباں تھی ہی۔ وہ رشیدہ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ خود انور نے کئی بار اس سے انگلتو کرنی چاہی لیکن اس نے موقع ہی نہ دیا۔ بہر حال اس کے ماتھے پر پڑی ہوئی سلوٹیں کسی وقت بھی غائب نہیں ہوئی تھیں۔

انور حوصلی میں لوث آیا۔ اس نے اس وقت ڈاکٹر کو ملنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ گھر پر موجود نہیں تھا۔

حوصلی چینچتے ہی اس نے سارے خیالات اپنے ذہن سے نکال دیے اور ادھر ادھر کی تفریجی باتیں کرنے لگا۔

آہستہ آہستہ دھنڈ لکا پھیلتا چارہ تھا۔ شام بہت خوشنگوار تھی۔ رانی صاحبہ نے پائیں باغ میں کرسیاں ڈلوادی تھیں اور سب لوگ دہیں بیٹھنے انور کے لطیفوں اور چیکلوں سے محظوظ ہو رہے

تھے۔ صرف شاہدہ خاموش تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دہاں طوعاً و کرپاً بیٹھی ہو۔
دھنک کسی نے چھانک ہلایا اور سب کی نظریں ادھر اٹھ گئیں۔ یہ ڈاکٹر کی بہن تھی۔

”کیا یہ چھانک بیٹھ بند رہے گا۔“ وہ جیج کر بولی۔

”اوہ..... یہ حرافہ پھر آگئی۔“ شاہدہ نے تجزی سے اشتبہ ہوئے کہا۔

”بپورانی.....!“ رانی صاحبہ اس کا ہاتھ کپڑ کر بھاتی ہوئی بولیں۔ ”پاگلوں کے من لگنے سے کیا فائدہ۔ دنیا جانتی ہے کہ وہ پاگل ہے، جو کچھ بکتی ہے بکتے دو۔“

شاہدہ بینہ گئی۔ لیکن وہ قہر آلوں ناظروں سے چھانک کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”کیا کوئی میری بات کا جواب نہ دے گا۔“ خود چھانک کو ہلا کر پھر جیجی۔ ”میں کہتی ہوں یہ حوصلی پھر وہ کاڈھیر ہو جائے گی۔ اس پر موچیں ہی موچیں اُگ آئیں گی۔“
رشیدہ بے اختیار ہنس پڑی اور انور حیرت سے زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔ محمود تو اس طرح خاموش تھا جیسے اُسے سانپ سوگھ گیا ہو۔

ڈاکٹر کی بہن نے قہقہہ لگایا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اس قہقہے کی آواز آہستہ آہستہ کہنی دو۔
سے آئی ہوا اور چھانک کے قریب پہنچ کر یک بیک تیز ہو گئی ہو۔
یکاک انور چوک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

”یہ پشودل کی بوکیاں سے آئی۔“ وہ احتتا ہوا بولا۔

”گیراج کی طرف سے آئی ہو گی۔ شاید ڈرائیور کار کی منگلی بھر رہا ہے۔“ رانی صاحبہ بولیں۔
انور بینہ گیا۔ ادھر ڈاکٹر کی بہن نے پھر قہقہہ لگایا اور اندر حیرے میں دور چک دوڑتی چل گئی۔ تھوڑی دری سک خاموشی رہی پھر انور بولا۔

”آخر شاہدہ صاحبہ اس سے اس قدر تغیر کیوں ہیں؟“

”میں اپنے بھی معاملات پر تبصرہ نہیں پسند کرتی۔“ شاہدہ تلخ لجھے میں بولی۔

”لیکن میرا خیال ہے کہ عنقریب یہ بھی معاملہ میں الاقوایی مسئلہ بننے والا ہے۔“ انور نے جس کر کہا۔

شاہدہ جھلا کر اٹھی اور حوصلی کے اندر چل گئی۔

”کیا بتاؤ؟“ رانی صاحب اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر مشکل انداز میں بولیں۔

”آخر یہ معاملہ کیا ہے؟“ انور نے پوچھا۔

”میں کچھ نہیں جانتی۔“ رانی صاحب نے کہا اور وہ بھی اٹھ کر حوالی میں جانے لگیں۔

دھماڑ شیدہ جی آجھی۔ اس کا ایک ہاتھ آسان کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

”ارے یہ تو پھر دکھائی دیا۔“ محمود بے ساختہ بولا۔

آتش پر ندہ کافی بلندی پر پواز کرتا ہوا حوالی کی طرف آ رہا تھا۔

”لو یعنی مصیبت آئی۔“ رانی صاحب غبارے ہوئے لجھے میں بولیں۔

”محمود رانفل.....!“ انور نے جلدی سے کہا۔

”قطعنی نہیں جتاب۔“ رانی صاحب جھلا کر بولیں۔ ”آج یقیناً یہ آفت ادھری آئے گی۔ تم

نے اس پر گولی چلا کر اچھا نہیں کیا تھا۔“

”کل میں نے اسی طرح ڈاکٹر کا مکان بچایا تھا۔“ انور نے کہا۔ ”اس کے علاوہ کوئی اور

چارہ نہیں۔“

”ہر گز نہیں..... ہر گز نہیں۔“ رانی صاحب جیخ کر بولیں۔

پرندہ کوئی کے گرد پچکر لگاتا ہوا آہتہ یقینے اتر رہا تھا۔ رانی صاحب شاہدہ کو آواز دیتی

ہوئی حوالی کی طرف بھاگی۔ شاہد شاہدہ نے اسے پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی باہر آگئی۔

اچاک انور نے ایسا منہ بنایا جیسے وہ کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہو۔

”محمود رانفل.....!“ وہ پھر چیخا۔

”انور خاموش رہو۔“ رانی صاحب گرج کر بولیں۔

انور پھر کچھ سننے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ پرندہ حوالی کی چھت پر اتر آیا۔ پھر حوالی کے

پچھلے حصے سے شعلے بلند ہونے لگے۔ تو کروں نے غل مچانا شروع کر دیا۔ انور تیزی سے ادھر

بھاگ رہا تھا۔

آگ بھانے کی کوشش جاری تھی اور انور کا کھنڈ پہنچنے تھا۔

”ارے احمدو یہ پڑوں بل رہا ہے۔“ انور کی آواز سنائی دی۔ وہ چہار دیواری پر کھڑا تھا۔

پھر وہ دوسری طرف کو گیا۔

آگ پر بہت جلد قابو پالیا گیا۔ کوئی خاص نقصان نہیں ہوا تھا۔ کنی تو کر چھٹ پر کھڑے شور مچا رہے تھے۔ آگ تو بجھ گئی تھی لیکن خوف کے مارے وہ ابھی تک اپنی آوازوں پر قابو نہیں پاسکے تھے۔ دھنادہ آتش پرندہ اپنے پر چھپھٹاتا ہوا ان کے سروں پر سے نکل گیا وہ اور زیادہ چھیننے لگے اور ایک تو چکرا کر گری پڑا۔

محوزی دیر بعد جب یہ ہنگامہ روشن ہو گیا تو انور کی تلاش شروع ہوئی۔ لیکن اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ رشیدہ کچھ سوچ رہی تھی۔ محمود انور کو تلاش کرنے کے لئے ملازمین کو قبے میں بھیج چکا تھا۔ قدریا ایک گھنٹہ گذر گیا لیکن وہ واپس نہ آیا۔ رشیدہ اپنے کمرے میں آئی اور سوت کیس سے ریوا الور رکھا۔

جب وہ برآمدے سے گذر کر پائیں بااغ میں جانے لگی تو رانی صاحب نے اُسے ٹوکا۔
”میں ابھی آتی ہوں۔“ رشیدہ بولی۔

”کہاں چارہتی ہو۔“

” عمران صاحب کے یہاں ممکن ہے انور وہیں ہو۔“

” کسی توکر کو بھیج دو۔“

” نہیں میں خود جاؤں گی جلد ہی واپس آ جاؤں گی۔“

” تو کسی توکر کو ساتھ لے جاؤ۔“

” میں چلا ہوں۔“ محمود بولا۔

” نہیں اس کی ضرورت نہیں۔“ رشیدہ نے کہا اور چل پڑی۔ چالک سے نکلنے کے بعد اس کا رخ قبے کے بجائے جنگل کی طرف تھا۔

رات تاریک تھی۔ رشیدہ چل تو پڑی لیکن جنگل میں داخل ہوتے ہی جسم کے سارے رو ٹکلنے کھڑے ہو گئے۔ جنگل جیسکروں کی تیز آوازوں سے گونج رہا تھا۔ کر وندے کی دیوار پر جھائیاں اس وقت اور زیادہ خوفناک نظر آ رہی تھیں۔ رشیدہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ دھنادہ کسی درخت پر الوکی جیسی سنائی دی اور وہ جھپک پڑی۔ دل شدت سے دھرنے لگا۔

وہ ایک لمحے کے لئے رک گئی لیکن پھر اس کے ذہن نے دلیر بننے کے لئے جدوجہد شروع کر دی اور دوسرے ہی لمحے میں وہ اس طرح چل رہی تھی جیسے خواب میں چل رہی ہو۔ پھر کہیں دور قدموں کی آہت سنائی دی جو لمحہ پر لمحہ قریب آتی جا رہی تھی۔ ایک متحرک سایہ دکھائی دیا اور رشیدہ ایک درخت کے تنے کی اوٹ میں ہو گی۔

”خبردار! ہاتھ اوپر اٹھاؤ ورنہ گولی چلا دوں گا۔“ آنے والا چل کر جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا بولا۔

رشیدہ نے پستول بحال کر فائز کر دیا۔ اسکے ہونتوں پر شرارۃ آمیز مسکراہت پھیل رہی تھی۔

”میں تمہارے جوابی حملے کا انتظار کر رہی ہوں۔“ رشیدہ چیخ کر بولی۔ ”لیکن میں جانتی ہوں کہ تمہارے پاس پستول نہیں ہے۔“

جواب ندارد..... رشیدہ پھر کچھ کہنے ہی والی تھی کہ کسی نے پیچھے سے اُسے دبوچ لیا اور ساتھ ہی قبیلے کی آواز سنائی دی۔

”اب تو پستول ہے میرے پاس۔“ اس نے آہت سے کہا۔

رشیدہ نے کوئی جدوجہد نہ کی لیکن اس کا ہاتھ آہتہ حملہ آور کے کان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

”ارے ارے کان چھوڑو..... چھوڑو.....!“ وہ کراہ کر بولا۔

”نہیں..... انور میں تمہارے دونوں کان اکھاڑا ڈالوں گی۔“

”چھوڑو..... چھوڑو.....!“

رشیدہ اُسے کھینچتی ہوئی واپس لوٹ رہی تھی۔

”میں کہتا ہوں کان چھوڑو.....!“ انور گیڑ کر بولا۔

”تمہارے چینخے کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔“ رشیدہ بخیگی سے بولی اور انور جم کر کھڑا ہو گیا۔

”کھینچو..... اور اور زور سے کھینچو..... لیکن یاد رکھو کہ تمہارے ساتھ کان ہی کان جائے گا۔“

رشیدہ رک گئی اور اس نے کان چھوڑ دیا۔ تھوڑی دریکھ کھڑی خاموشی سے اُسے گھورتی رہی پھر چل پڑی۔ انور اُس کے پیچھے تھا۔ رشیدہ نے جس ہاتھ سے انور کا کان پکڑا تھا اس میں

اے کچھ جیچپاہت معلوم ہو رہی تھی۔ اس نے جیب سے گھری دیکھنے کی نیخی سی ٹارچ نکالی اور اپنا ہاتھ دیکھنے لگی۔

”خون.....!“ وہ چوک کر رک گئی۔ انور جیسے ہی اس کے قریب سے گزرا اس نے اسے کپڑا لیا۔ دوسرے لمحے میں ٹارچ کی مضمودشی انور کے چہرے پر پڑی تھی، پیشانی اور گالوں سے خون بہر رہا تھا۔

”یہ کیا ہوا.....؟“ رشیدہ بے اختیار بولی۔

”کان اکھر گیا ہو گا؟“ انور نے لاپرواہی سے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

رشیدہ نے دوڑ کر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا اور اسے سہارا دینے لگی۔

”چھ چھ.....!“ انور مسکرا کر بولا۔ ”میرا بیہوں ہونے کا ارادہ نہیں۔“

”انور.....!“ رشیدہ اسی پڑ مردہ آواز میں بولی جسے سکلی سے تشبیہ دی جاسکتی تھی۔ انور نے اس کا ہاتھ ہٹا دیا۔

”لیکن تم کیوں آئی تھیں۔“

”مجھے یقین تھا کہ تم ادھر ہی آئے ہو گے۔“

”میں پوچھتا ہوں تم آئی ہی کیوں تھیں۔“

”تمہارے لئے۔“

”بکومت.....میں اسے پسند نہیں کرتا۔“

رشیدہ خاموش ہو گئی۔ اگر اس نے اس کے چہرے پر خون نہ دیکھ لیا ہوتا تو شاید جھپٹ پڑتی۔ اس وقت اسے انور کے اس تحکمانہ لجھ پر غصہ نہیں آیا لیکن وہ اس حادثے کے تعلق معلوم کرنے کے لئے بے چین تھی جس کی بناء پر انور زخمی ہو گیا تھا۔ اس نے اسے کریدنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ چاہتی تھی کہ جلد سے جلد حوالی پہنچ کر انور کی مرہم پٹی کرے۔ ویسے خود اسے تو ان زخموں کی رتی برابر پرواہ نہ ہوگی اور اس کی لاپرواہی تو وہ کچھ دری پہلے دیکھ ہی چکی تھی۔ انور کی جگہ اور کوئی ہوتا تو اس حالت میں کم از کم کسی قسم کے مذاق کے لئے تیار نہ ہوتا۔ اس کی آواز پچھاں کر اس نے اسے ڈرانے کے لئے ہواں فائز کیا تھا اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس کے پاس پستول

نہیں ہے۔ وہ چاہتا تو اسکی آواز سننے کے بعد سامنے آ جاتا لیکن نہیں اس وقت بھی اس کی رُگ
شراحت بجزک انہی تھی اور اس نے پیچھے سے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔

"نمہر د.....!" انور ایک گرے ہوئے درخت کے تنے کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

"میں وہاں پہنچ کر سگر بیٹ جیجوں گا۔"

وہ دونوں جنگل سے نکل کر قبیلے کی کچنی سڑک پر پہنچ گئے تھے۔

"اب وہیں چل کر پینا۔" رشیدہ اسے پکڑ کر آگے بڑھاتی ہوئی بولی۔

"رشو.....!" انور تیز لپجھے میں بولا اور ہاتھ پھرزا کر درخت کے تنے پر پہنچ گیا۔ مجبوراً

رشیدہ کو بھی پہنچ جانا پڑا۔

"میں یہ کہہ رہی تھی ک..... یہ خون۔"

"خوبی والوں پر اس کا کیا رد عمل ہوا ہے۔" انور نے اس کی بات کاٹنے ہوئے پوچھا اور

سگر بیٹ سلاکنے لگا۔

"انہیں سب سے زیادہ اس بات پر حیرت ہے کہ تم کیوں غائب ہو گئے۔"

"آگ کا کیا رہا۔"

"بمحادی گئی کوئی نقصان نہیں ہوا۔"

"انور خاموش ہو گیا....." پھر دو تین کش لینے کے بعد بولا۔

"آگ اس پرندے کی وجہ سے نہیں لگتی۔"

"جہنم میں گیا پرندہ.....!" رشیدہ جھلا کر بولی۔ "تم زخمی کیسے ہوئے اور اب یہاں کیوں

پہنچے ہو۔ کیا اب ان زخموں کو سڑانے کا ارادہ ہے۔"

"زخموں کی حالت تشویش ناک نہیں۔" انور لاپرواٹی سے بولا۔ "یہ جہاڑیوں کے کائنے ہیں۔"

"کیا تم ان میں گھنے کی کوشش کر رہے تھے۔"

"نہیں..... بلکہ مجھے زبردستی ان میں گھسپڑنے کی کوشش کی گئی تھی۔"

"ارے.....!"

"ہاں..... میں جس آدمی کا تعاقب کر رہا تھا وہ غیر معمولی طور پر طاقتور تاثیرت ہوا۔"

”آدمی کا تعاقب.....!“ رشیدہ نے تحریر آمیز انداز میں دہرایا۔

”ہاں وہی آدمی جو کوئی میں آگ لگا کر بجا گا تھا۔ پڑوں کی بوپر میں پہلے ہی چونا تھا۔ لیکن ان لوگوں نے اسے کوئی ابھیت نہیں دی۔ جس وقت وہ پر عدہ کوئی پر چکر لگا رہا تھا میں نے ہلکی ہلکی سیٹیوں کی آوازیں سنی تھیں۔ اور یہ بھی محسوس کیا تھا کہ وہ پرندہ انہیں آوازوں پر نیچے اترتا تھا۔ میں اس وقت جو میلی کی پشت پر پہنچا تھا۔ جب پرندے کو سیٹیوں پر بلانے والا آگ لگا کر بھاگ رہا تھا تجھ بے کہ قبصے والوں نے ہلکلی واردا توں میں اس چیز کی طرف توجہ نہیں دی۔ بہر حال میں اس کا تعاقب کرنے لگا۔ وہ جنگل کی طرف بھاگ رہا تھا۔ میں بھی کہتا ہوں کہ میں نے آج تک اتنا تیز دوز نے والا نہیں دیکھا۔ جبکیل کے قریب پہنچ کر وہ یک لخت میری طرف پلتا اور قبیل اس کے کہنجلات اس نے مجھے پکڑ کر اچھال دیا۔ میں میں آدمی نہیں بلکہ روپ کی گیند ہوں اور میں لاکھ سنبھلنے کے باوجود بھی اپنا سر جھاڑیوں سے نہ بچاسکا۔ مجھے اس کی طاقت پر حیرت ہوتی ہے اگر کہیں دوچار آدمیوں کے سامنے اس نے مجھے اس طرح اخخار کر پھینکا ہوتا تو میں کسی کو مند کھانے کے قابل نہ رہتا۔“

”اور تم نے اسے نکل جانے دیا۔“ رشیدہ نے تحریر آمیز لمحہ میں پوچھا۔

”پھر وہ نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔ میں کافی دریکھ اسے ٹلاش کرتا رہا لیکن یہ بتاؤ کرم اس طرح اکیلے کیوں نکل آئی تھیں۔“

”میری خوشی! جب تم میرا کوئی اعتراض برداشت نہیں کر سکتے تو مجھے کیوں اس پر مجبور کرتے ہو۔“

”یہ بات نہیں رشو.....!“ انور زم لمحہ میں بولا۔ ”یہ جنگل بہت بھی اکھی ہے۔“

”تو کیا اب نہیں بیٹھنے بیٹھنے رات ختم کر دو گے۔“

”نہیں صرف سگریٹ ختم کروں گا۔“ انور آہستہ سے بولا۔ ”جو میلی والوں کو اس واقعہ کی اطلاع نہ ہوئی چاہئے۔“

”مگر پڑوں والا معاملہ تو.....!“

”اس کی فکر نہیں..... بات جہاں تھی وہیں رہنی چاہئے۔“

"اور یہ زخم.....!"

"یہ بھی کوئی ایسی بات نہیں۔ پرندے کا تعاقب کرتے وقت جہازیوں میں گر پڑا تھا۔"

"لوگ تمہیں پاگل سمجھتے لگیں گے۔"

"تب تو اور اچھا ہے۔ میں ڈاکٹر کی بیان سے شادی کر لوں گا۔"

"اچھا تو کیا تم.....!"

"ہاں میں اس پر عاشق ہونے کا ارادہ کر رہا ہوں۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"بس اب اٹھو چلو.....!" رشیدہ نے آتا ہوئے بجھ میں کہا۔

انور نے سگرہٹ ایک طرف پھینک دی اور پھر وہ حوتی کی طرف چل پڑے۔ چھانک کے

قرب عمران ملا۔

"اوہ..... انور صاحب آپ لوگ آگئے۔ بھی مجھے بڑی تشویش ہو گئی تھی۔"

عمران آگے بڑھ کر بولا۔ "یہاں معلوم ہوا کہ رشیدہ صاحبہ میرے گھر گئی ہیں لیکن معلوم کر کے اور تشویش ہو گئی کہ کہ وہ میرے گھر تک پہنچی ہی نہیں۔"

"کوئی خاص بات نہیں ہم لوگ ذرا سمجھتوں میں ہل رہے تھے۔" انور نے کہا۔

"لاحوال ولاقوة.....!" یہاں تو شہزادے کتنی انواعیں اڑ گئیں۔

"اچھا.....!" انور دیپکی کا اخبار کرتا ہوا بولا۔

"جی ہاں..... مگر بھی آپ لوگ میرانہ مانتے گا۔ گاؤں والے گزارہ ہی ہوتے ہیں۔"

"اندر ہونے کی وجہ سے عمران انور کا زخمی چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا۔ چند لمحے اہر اہر کی باتیں کرتے رہنے کے بعد وہ خواہ خواہ دوبارہ مٹنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گیا۔

"مجھے تو یہ آدمی مخلوک معلوم ہوتا ہے۔" رشیدہ آہستہ سے بولی۔

"میں بھی اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔" انور نے کہا۔ "اور شاہدہ کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"مجھے تو اس کا دماغ بھی خراب ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"اس پر کڑی نظر رکھنا۔" انور نے کہا اور چھانک کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

”کون ہے؟“ اندر سے آواز آتی۔ شاید چوکیدار مالی کے جھوپڑے میں چلم پی رہا تھا۔

”ہم لوگ ہیں۔“ رشیدہ بولی اور چوکیدار اپنی لائین لے کر انہیں راست دکھانے کیلئے دوڑا۔
”ارے صاحب.....!“ وہ انور کو چھرو دیکھتے ہی تھی پڑا۔

”شش شش..... کچھ نہیں آگے چلو.....!“ انور نے کہا۔

”کیا بات ہے۔“ کسی نے برآمدے سے آواز دی۔

”مہماں ہیں۔“ چوکیدار بولا۔

”بھی تم لوگوں نے پریشان کرڑا۔“ محمود کی آواز سنائی دی۔ ”آج تم لوگوں کی خاصی مرمت ہو گی۔“

”وزرا آہستہ گاؤں میرے بنی۔“ انور آہستہ سے بولا۔ ”پس نازک است شیشه دل در کنار ما۔“

ایک نئی واردات

تحوڑی دیر بعد انور پنچ پر لیٹا تھا اور رشیدہ اُس کے چہرے میں چھپے ہوئے کانتے نکال رہی تھی۔ محمود تو ڈاکٹر کو بلوانے جا رہا تھا۔ مگر انور نے روک دیا۔ اس نے کہا کہ اس طرح یہ بات سارے قبے میں پھیل جائے گی اور میں پاگل مشہور ہو جاؤں گا۔ بہتر سمجھی ہے کہ اس کا ذکر کسی سے نہ کیا جائے۔

”یعنی آخر اس وحشت کی ضرورت ہی کیا تھی۔“ رانی صاحبہ بولیں۔

”میں اُس پرندے کو پکڑتا چاہتا ہوں۔ وہ بخیرے میں خوشنما معلوم ہو گا۔“

”بھی تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔“ رانی صاحبہ نے اکتا کر کہا۔

”یہ کوئی نئی بات نہیں۔“ رشیدہ نہ کربولی۔ ”اکثر ان کی باتیں خود انہیں کی سمجھ میں نہیں آتیں۔“

”وہ بات ہی کیا جو سمجھ میں آجائے۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”مثلاً یہ بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ پڑوں کی بوگیراج سے آئی تھی یا.....!“

"یہ معاملہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔" محمود نے کہا۔ "آگ یقیناً پڑوں میں لگی تھی لیکن پڑوں دیواروں پر کہاں سے آیا۔"

"میں نے دیکھا تھا.....!" انور مسکرا کر بولا۔ "تمہیں یاد ہو گا کہ میں چار دیواری پر کھڑا تھا۔ وہاں سے چھٹت دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے دیکھا.....!"

انور خاموش ہو گیا۔ یقین لوگ توجہ اور دلچسپی کے ساتھ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ البتہ رشیدہ ضرور متغیر تھی۔ کیونکہ انور نے اسے اصل واقعہ بتانے سے روک دیا تھا اور اب خود ہی بیان کرنے جا رہا تھا۔

"کیا دیکھا.....؟" رانی صاحبہ بے چینی سے بولیں۔

"پرندے نے اپنی چوچ میں پڑوں کا کنسرٹ دبا رکھا تھا۔ پڑوں چھٹت اور دیواروں پر اغذیل کردہ اس میں لوٹنے لگا تھا۔"

رشیدہ کو بے اختیار ہنسی آگئی اور رانی صاحبہ اس کا مند دیکھنے لگیں۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔" انور تیز لہجے میں بولا۔

"بھلا پرندے کے پاس پڑوں کہاں سے آیا۔" رشیدہ ہنسی روک کر بات بنا نے لگی۔

"سب کچھ ہو سکتا ہے یہی۔" رانی صاحبہ سنجیدگی سے بولیں۔ "خدا ہم لوگوں پر حرم کرے۔"

محمود کچھ نہیں بولا۔ وہ انور کو گھور رہا تھا اور خود کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ابھی نہ جانے کتنی مصیبتوں نازل ہوں۔" شاہدہ منہ سکوڑ کر بولی۔ "اگر اس پر رائق ل نہ چلائی جاتی تو کچھ نہ ہوتا۔"

انور اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت اس کے ہوتلوں پر بڑی قائل مسکراہٹ تھی۔

شاہدہ گز بڑا کر دوسرا طرف دیکھنے لگی۔

"اس پرندے کا گوشت بہت لذیذ ہو گا۔" انور نے کہا۔ "میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ ایک نہ ایک دن اُسے دستِ خوان کی زینت ضرور ہتاں گا۔"

"بھی اب چپ بھی رہو۔" رانی صاحبہ خوفزدہ لہجے میں بولیں۔

رشیدہ نے کانٹے نکال کر انور کے چہرے کو پیسوں سے ڈھک دیا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ

سب کھانے کی میز کے گرد بیٹھے ہوئے انور کی بے لگی باتوں سے محظوظ ہو رہے تھے اور رشیدہ کی نئے خلرے کی بوسوگھ رہی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ انور کن موقعوں پر خود کو ضرورت سے زیادہ احتیاط ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔

کھانا کما کر دوہ لوگ اپنے اپنے کروں کی طرف جاتی رہے تھے کہ ڈاکٹر نصیر کے گھر میں آگ لگنے کی اطلاع ملی۔ ایک ہی رات میں دو مکانوں میں آگ لگنے کی یہ پہلی واردات تھی۔

”بیچارے ڈاکٹر پر بھی میری ہی وجہ سے مصیبت نازل ہوئی۔“ انور متاسفانہ لہجے میں بولا۔ ”مگر اس کے علاوہ کوئی اور چارہ ہی نہ تھا۔“

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ خصوصاً رانی صاحبہ بہت زیادہ متفکر نظر آ رہی تھیں۔ شاید انہیں خوف تھا کہ کہیں پھر کوئی حادثہ ہو جائے۔

تموڑی دیر بعد وہ سب اپنے اپنے کروں میں چلے گئے۔

رشیدہ اور انور کے کروں کے درمیان صرف ایک دیوار حائل تھی۔ دونوں کروں کی کمڑ کیاں پائیں بااغ کی طرف مکھتی تھیں جن کے نیچے کچھ دور ہٹ کر مہندی کی باڑھ تھی جس کا سلسلہ ایک روٹ کے کنارے کنارے پائیں بااغ کی چہار دیواری تک چلا گیا تھا اور یہ روٹ بااغ کے عقبی دروازے کے پاس جا کر ختم ہو گئی تھی۔

باہر آسان سیاہیاں بکھر رہا تھا۔ پودوں اور جھاڑیوں میں دیکھئے ہوئے جیسے کروں کی جہائیں جہائیں فضا پر مسلط تھیں۔ انور سگر ہٹ سلاکا کر کھڑکی کے قریب آگیا۔ اسکے زخموں میں جلن شروع ہو گئی تھی اور ایسا حسوں ہو رہا تھا جیسے وہ دیر یک نہ سو سکے گا۔ اس نے کھڑکی سے سر ٹکال کر آہستہ سے رشیدہ کو آواز دی۔ وہ بھی ابھی جاگ ہی رہی تھی۔ انور کی آوازن کر کھڑکی کے قریب آگئی۔

”رسو مجھے نیند نہیں آ رہی ہے۔“

”زخموں میں تکلیف زیادہ بڑھ گئی ہے۔“

”ہاں.....!“

”تو کیا میں آؤں۔“

”ہاں.....!“

انور نے دو تین گھرے گھرے کش لیئے اور سگر ہٹ پھینک کر مڑا۔

”بیٹھ جاؤ.....!“ وہ ایک کری کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ رشیدہ شبِ خوابی کے لباس میں اس وقت کچھ زیادہ حسین نظر آ رہی تھی۔

”میری طبیعت یہاں سے نہی طرح اکتا گئی ہے۔“ انور بولا۔

”تو واپس چلو.....!“

”یہا ممکن ہے۔“

”کیوں.....!“

”یہ زخم زندگی بھر ہرے رہیں گے۔“ انور اپنے چہرے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

”تو تم انتقام کی آگ میں جل رہے ہو۔“ رشیدہ مکرا کر بولی۔ ”میں کبھی تھی شاید رخنوں میں جلن ہے۔“

”نماق نہیں رشو..... میں اسے پکڑے بغیر واپس نہیں جا سکتا۔“ انور نے کہا اور دوسرا سگر ہٹ سلاکنے لگا۔

”اگر واقعی یہ کسی آدمی کی حرکت ہے تو اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔“ رشیدہ نے کہا۔

”مقصد ہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا ہے یا تو کوئی آدمی پورے قبے سے کسی بات کا انتقام لے رہا ہے یا پھر وہ صحیح الدمامغ نہیں ہے۔“

”کیا تمہارا اشارہ ڈاکٹر کی بہن کی طرف ہے۔“

”اگر وہ مجھے ربر کی گیند کی طرح اچھال سکتی ہے تو یہی سمجھو۔“

”تم تو ڈاکٹر سے مل چکے ہو۔“ رشیدہ نے کہا۔ ”اس کے متعلق کیا خیال ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ شاید وہ مہاتما بدھ کے بعد دوسرا غیر معمولی انسان ہے۔“

”اور عمر ان.....!“

”اس کے متعلق تو میں کچھ سوچنا ہی نہیں چاہتا۔“

”کیوں.....!“

”اس لئے کہ وہ بیسویں صدی کا شیخ چلی ہے۔“

”لیکن میں ایسا نہیں بھتی۔“

”بھتی یہ قصہ بہت دشمن ہے۔“ انور اکتا کر بولا۔ ”یہاں عمران کے علاوہ بھی کئی اور لوگ ہیں، جو اس سے بھی زیادہ بد نام ہیں۔ عمران کے سلسلے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ صرف حوالی والوں سے دشمن رکھتا ہے۔ قبے کے بیچ لوگوں کو پریشان کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔“

”ایک بات اور.....!“ رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ”اگر وہ صرف حوالی ہی والوں کو تھسان پہنچانے پر گل جاتا تو اس کا کپڑا جانا یقینی تھا۔ اس نے اس نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ وہ گاہے گاہے ان لوگوں پر بھی حملہ کرتا رہتا ہے جن سے اس کے تعلقات نہ ہے نہیں۔ اس طرح وہ لوگوں کی نظر دل میں مشتبہ ہونے سے بچ رہا ہے۔“

”خیال تو نہ انہیں۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”لیکن حوالی والوں کے اور دشمن بھی ہوں گے۔ اس سلسلے میں بعض عمران ہی کا نام کیوں لیا جائے۔“

”اس کی بھی ایک وجہ ہے۔“

”کیا.....؟“

”خہرو.....!“ رشیدہ اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی بولی۔ اس نے کمرے کا دروازہ کھول کر ادھر آہر دیکھا اور پھر واپس آگئی۔ انور اسے گھور رہا تھا۔

”عمران شاہدہ سے شادی کرنا چاہتا تھا..... اور خود شاہدہ کی بھی سیکھا خواہش تھی۔“

”اوہ.....!“ انور چونکہ کر بولا۔ ”تمہیں کیسے معلوم ہوا۔“

”مجھے یہ بات رانی صاحبہ نے بتائی تھی۔ لیکن شاہدہ کے متعلق خود میں نے ہی اندازہ لگایا ہے۔ عمران کی موجودگی میں اس کا سارا تیکھا پن غالب ہو جاتا ہے اور محمود سے تو شاید وہ بھی نری سے گفتگو نہیں کرتی۔“

انور کچھ سوچنے لگا۔

”لیکن وہ عمران نہیں ہو سکتا جس نے مجھے جھاڑیوں میں پھینکا تھا۔“

”اس مقصد کے لئے وہ کسی دوسرے کو بھی استعمال کر سکتا ہے۔“ رشیدہ بولی۔

”تمہارا اشارہ شاید جنگلیوں کی طرف ہے۔“ انور بولا۔

”یقیناً.....!“

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ان جھاڑیوں میں گھنے کا کوئی ذریعہ ہے۔“

”میں تو سبی بھتی ہوں۔“

”کیوں.....!“

”اگر جنگلی اس طرف آئتے تو یہاں آئے دن چوریوں اور ڈاکوں کی وارداتی ہوتی رہتی۔“

”تو پھر اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ پرندہ بھی اس جنگل سے نہیں آتا۔“

”میں بھی بھتی ہوں۔“ انور نے کہا۔ ”لوگوں کا خیال ہے کہ وہ کروندے کے جنگل سے آتا ہے مخفی اس لئے کہ وہ اسے جنگلیوں کا کوئی جادو سمجھتے ہیں۔“

رشیدہ خاموش ہو گئی انور اس کی طرف جواب طلب نہ گا ہوں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے سُگریٹ کا تکڑا کھڑکی سے باہر پھینک دیا اور کمرے میں شلنے لگا۔

رشیدہ کی آنکھیں نیند سے بو جعل ہوتی جا رہی تھیں۔ اس نے ایک طویل اگھڑائی لی اور انور کی طرف دیکھنے لگی۔

”تو پھر اب تم نے کیا سوچا ہے۔“

”نی الحال مجھے اس پرندے کی فکر ہے۔“ انور بولا۔ ”یہ ثابت ہو گیا کہ وہ مخفی ایک شعبدہ ہے۔ آتشزندی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ میں جلد ہی اسے پکڑ لوں گا۔“

”ذرا سوچ سمجھ کر۔“ رشیدہ پچھک کر بولی۔ ”یہ مت بھول جانا کہ اس پر گولی پڑتے ہی ایک زور دار دھماکہ ہوا تھا۔“

”مجھے یاد ہے۔“

”تم اسے کس طرح پکڑو گے۔“

”جس طرح خدا پکڑوائے گا۔“ انور جھلا کر بولا۔ ”اچھا جاؤ اب سور ہو۔“

”تم نے مجھے خواہ خواہ بایا تھا۔“ رشیدہ بھی اسی لمحے میں بولی۔

”ایک نظر دیکھنے کے لئے۔“ انور مٹھکہ خیز انداز میں آه ہجر کر بولا۔ ”تاکہ میں رات بھر آرام سے جاگ سکوں۔ اچھا اب جاؤ۔ کل رات پھر ایک نظر دیکھ لوں گا۔“

رشیدہ اسے تیز نظروں سے گھوٹی رہی پھر اٹھ کر تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

انور نے اس انداز سے دروازہ بند کر لیا جیسے اس نے کوئی بہت نیک کام کیا ہو۔ پھر وہ آنکھیں بند کر کے مسمومی پر لیٹ گیا مگر نیند اس کی آنکھوں سے کھوس دو رحمی۔ ایک تو زخموں کی چھر چھراہٹ ہی بے خوابی کے لئے کافی تھی اس پر آج کی توہین۔ شاید انور نے چلی بار زندگی میں یہ چیز محسوس کی تھی کہ اس سے بھی زیادہ طاقت ورلوگ اس زمین پر بنتے ہیں۔ اس کے ذہن میں اس وقت تک صرف ایک ہی سوال تھا وہ یہ کہ اس پر اسرار آدمی سے دوسرا نہ بھیڑ کب اور کس طرح ہوگی۔ اس کی غیر معمولی طاقت سے خائف ہونے کی بجائے انور اس سے دوبارہ مکرانے کے امکانات پر غور کر رہا تھا۔

اس نے اٹھ کر گھری پر نظر ڈالی۔ ایک بیج رہا تھا۔ اس نے سگریٹ سلاکائی اور گھر کی کریب آگیا لیکن دوسرے لمحے سگریٹ زمین پر تھی اور وہ اسے جیر سے مسل رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کی نظر میں اندر ہرے میں کسی متحرک چیز کا تعاقب کر رہی تھیں۔ کوئی مہندی کی باڑھ کی اوت لیتا ہوا آہستہ آہستہ کوئی کی چهار دیواری کے عقبی دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا اور پھر سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ تھی کہ کپاڈوں میں چکر لگاتے ہوئے شکاری کتوں کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ انور نے متین خیز انداز میں سر ہلایا۔ یہ حوصلی ہی کا کوئی فرد تھا۔ ورنہ کہ آسان سر پر اٹھا لیتے۔ عقبی دروازے کے قریب پہنچ کر وہ تھوڑی دیر کے لئے رکا۔ شاید ادھر ادھر کی آہٹ لے رہا تھا۔ پھر دروازہ کھوٹ کر باہر نکل گیا۔

انور کے کمرے کی گھر کی زمین سے تقریباً چھ سات فٹ اوپر تھی۔ وہ آہستہ سے نیچے اتر گیا۔ اسے خوف تھا کہ کہیں کوئی کتا بھوکنا نہ شروع کر دے لیکن شاید قدرت مہربان تھی کسی نے اس طرف دھیان بھی نہ دیا۔ یا شاید یہ بات تھی کہ وہ اس کی بوی میں اجنبيت نہیں محسوس کر سکتے تھے۔ وہ بہ احتیاط دروازے سے گذر گیا۔

تاروں کی چھاؤں میں دور ایک سایہ دکھائی دے رہا تھا۔ انور تیزی سے اس کا تعاقب کرنے لگا۔ تھوڑی دور چل کر وہ جگل کی طرف گیا اور انور کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کا دل اس کے چہرے کے زخموں میں دھڑک رہا ہو۔ سایہ تیزی سے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کے

چلنے کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کسی جانی پچھانی منزل کی طرف جا رہا ہو۔ جگل رہ رہ کر ڈراؤنی آوازوں سے گونج اٹھتا تھا۔ کبھی کبھی تو کروندے کی جھاڑیوں میں کچھ اس قسم کی سرسر اہم پیدا ہوتی جیسے کوئی دھشی درندہ بھپٹ کر جملہ کرنے جا رہا ہو۔ چند گھنٹے پیشتر انور ادھر ہی سے دوبارہ گزر رہا تھا۔ لیکن اب کی وہ یہ محسوس کرنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ وہ مشین نہیں بلکہ آدمی ہے۔ سائیں سائیں کرتی ہوئی رات کا خوفناک ٹلسم اس کے مشینی قلقے پر مسلط ہوتا جا رہا تھا اور پھر اس بھی اب ماحول میں اسے ایک آواز سنائی دی۔ یہ ڈاکٹر کی پاگل بہن کے قلبے کی آواز تھی جو کہیں دور تاریکیوں کا سیند چیر کر پہنچل کے چوں کی کھڑکھڑاہٹ میں مدغم ہو رہی تھی۔ ساتھ ہی کسی درخت پر دو تکن چمگادڑ بیک وقت جیچ کر خاموش ہو گئے۔ لیکن وہ سایہ بغیر کسی پہنچپاہٹ کے آگے بڑھتا جا رہا تھا اور اب تو اس کی چال میں کچھ دیواری کی پیدا ہو گئی تھی۔ جگل اپنی بے شمار آوازوں میں جیچ رہا تھا اور سایہ آگے بڑھ رہا تھا۔ قلبے قرب ہوتے جا رہے تھے۔ انور کی رفتار سست ہو چلی تھی کہ یک بیک اس کے اندر سویا ہوا دھشی پیدا رہ گیا۔ وہ دھشی جس کا جائگنا عموماً کسی خطرے کا پیش خیمنہ ثابت ہوا کرتا ہے۔

آخر کار وہ سایہ رک گیا۔ انور آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ڈاکٹر کی آواز قرب ہی کہیں سنائی دے رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی سے لڑ رہی ہو۔ پھر کچھ اسکی آواز میں آنے لگیں جیسے کوئی کسی کو پیٹ رہا ہو۔ سائے کا رخ آوازوں ہی کی طرف تھا۔ انور سائے سے تین چار قدم پیچے ہی رک گیا۔

یہ وہی جگہ تھی جہاں وہ شخص غائب ہوا تھا جس کے ہاتھوں انور نے چند گھنٹے پیشتر لکھت کھائی تھی۔ سائے تھوڑی ہی دور پر جیبل لہرس لے رہی تھی۔ جس کے کنارے دو دھنڈے سے سائے نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک تو ڈاکٹر کی بہن تھی اور دوسرا کوئی اور..... ڈاکٹر کی بہن اسے دونوں ہاتھوں سے پیٹ رہی تھی اور وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ چیختی بھی جا رہی تھی۔

"کینے..... کتے..... میں تیری بوئیاں ازا دوں گی۔ تیرے گالوں کی بوئیاں نوج کر چباوں گی۔ تیرے ہوتوں کے پرخے ازا دوں گی۔ سور کے بچے! تو نے میری چوڑیاں توڑی

ہیں۔ میری آنکھوں کے کابل سے آشہ بیلیا کا نقش بنایا ہے۔ یو ذری سوائیں..... میری پکلوں
تسلی صور بر کے سائے تھے۔ میرے گالوں میں چاروں کی آگ تھی۔ تو نے اس آگ میں الو
اگا دیئے۔ بکری کے خصم تیرا نا شوپنہاڑ تھا۔ ٹرانسکی کے بچے! تیرے منہ پر تھوکتی ہوں۔ سنو
سونر کے بچے خزاں آگئی۔ کلیاں مر جما گئیں۔ باخ ویران ہو گیا۔ سکترے اداں ہیں۔ سکترے کی
چانکیں اداں ہیں۔ میں تیری پہیاں توڑ توڑ کر ان کا سارا گودا چوس لوں گی۔“

اس نے ایک دشت ناک فتحہ لگایا اور اسے شدت سے پینے لگی۔

دھنٹا انور اپنے آگے کھڑے ہوئے سایہ کی طرف متوجہ ہوا۔ جس کا داہنا ہاتھ آہستہ آہستہ
اٹھ رہا تھا اور ستاروں کی چھاؤں میں کسی چکدار چیز کی مضمی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ انور
نے جھپٹ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مگر پستول چل پکا تھا۔ انور نے جھنکا دیا اور سایہ ایک بے جان
لاش کی طرح اس پر آ رہا۔ یک بیک اس کی نظریں جبیل کی طرف اٹھ گئیں۔ ڈاکٹر کی بہن شاید
جبیل میں گر گئی تھی۔ اس کے ساتھی نے بھی دیکھتے ہی دیکھتے چلا گک لگادی۔ انور پستول چلانے
والے کو ایک طرف سرکندوں کی جہاڑیوں میں محیث لے گیا۔ شاید وہ بیہوش ہو گیا تھا۔ انور کی
سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ دھنٹا کسی کے دوڑ نے کی آواز سنائی دی۔ اس نے جہاڑیوں
سے سر نکال کر دیکھا۔ کوئی کسی کو کاندھے پر لادے ہوئے دوڑتا ہوا اس کے قریب نکل گیا۔ دور
نک قدموں کی آواز سنائی دیتی رہی پھر ستانہ چھا گیا۔

انور نے بیہوش کو بائیں ہاتھ پر سنبھال کر دیا سلامی روشن کی۔

”شایدہ.....!“ اس نے آہستہ سے کہا اور اس طرح مکرانے لگا جیسے ابھی جو کچھ بھی
ہو چکا ہے اس پر وہ مطمئن ہے۔ اس نے اس کی مشی میں جکڑا ہوا پستول نکال کر اپنی جیب میں
رکھ لیا۔

شایدہ ابھی تک بیہوش تھی۔ وہ اسے کاندھے پر لاد کر جبیل کے کنارے لے آیا اور اس
کے منہ پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔ تھوڑی دیر کی جدو جهد کے بعد وہ ہوش میں آ گئی۔ انور اس پر
جھنکا ہوا تھا۔ وہ گھبرا کر اٹھ گئی۔ شاید وہ اندھیرے میں آنکھیں چھاڑ کر انور کو پیچانے کی کوشش
کر رہی تھی۔

”ڈر نہیں۔“ انور نے آہتہ سے کھا اور وہ انٹھ کر بھاگی۔ لیکن انور نے اسے پکڑا۔

”یہ کیا حرکت تھی۔“

”میں کچھ نہیں جانتی۔“

”اگر میں نہ ہوتا تو تم نے انہیں قتل ہی کر دیا تھا۔“

شہدہ کے منہ سے ایک دلی دلی سی سکلی نکلی اور اس نے اپنا چہرہ دن گوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔

تریب کی جہازیوں میں جیگردوں کی جماں میں جماں تیز ہو گئی۔

بھگڑا

انور تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ وہ اس انتظار میں تھا کہ شہدہ خود بولے گی۔ لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ شہدہ بغیر کچھ کہے سنے واپس جانے کے لئے اٹھنے لگی۔ انور بھی خاموشی سے اٹھا اور اس کے ساتھ ہو لیا۔ اس نے پستول کے کارتوں سے ٹکال کر جبل میں پھیک دیئے تھے۔

”یہ لو.....!“ وہ اسے پستول دیتا ہوا بولا۔ ”اول تو اس کا استعمال ہی میں پسند نہیں کرتا۔“ دیے اگر ضرورت پڑتی جائے تو کافی سمجھ بوجہ کر کام لینا چاہئے۔“

شہدہ نے پستول لے لیا لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔

”اس لڑکی کے ساتھ کون تھا۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”میں نہیں جانتی۔“

”لیکن تم نے گولی کس پر چلائی تھی۔“

”میرا دماغ خراب ہو گیا تھا۔“ شہدہ آہتہ سے بولی۔

”بے وجہ دماغ بھی نہیں خراب ہوتا۔“

شہدہ خاموش ہو گئی۔ وہ اس طرح آہتہ آہتہ چل رہی تھی جیسے کسی طویل پیاری سے اُٹھی ہو۔

”تمہیں اس سے کیوں دشمنی ہے۔“ انور نے پھر پوچھا۔

"میں نہیں جانتی۔"

"تو پھر تم جانتی کیا ہو۔" انور بھیختا کر بولا۔ "میں ڈاکٹر سے تمہارے خلاف پولیس میں رپورٹ درج کراؤں گا۔"

"میں تمہارے دوست کی بیوی ہوں۔" شاہدہ آہستہ سے بولی۔

"میں مجرموں کو اپنا دوست نہیں سمجھتا۔"

"کیا مطلب.....!" شاہدہ چلتے چلتے رک کر خونزدہ آواز میں بولی۔

"میں نہیں جانتا۔"

شاہدہ پھر چلنے لگی۔ اس کے چیر لاکھڑا رہے تھے۔

"مجھے سہارا دو، ورنہ میں اگر پڑوں گی۔" وہ آہستہ سے بولی۔ انور نے اُسے بازو پر سنjal لیا۔

شاہدہ کے منہ سے سکیاں نکل رہی تھیں۔ وہ رو رہی تھی۔

"تم رو بھی سکتی ہو۔" انور طنز آمیز لبجھے میں بولا۔

شاہدہ نے کوئی جواب نہ دیا وہ برا بر رونے چاہی تھی۔

"اگر واپسی میں حمہیں کسی نے دیکھ لیا تو تم کیا جواب دو گی؟" انور نے پوچھا۔

شاہدہ کی سکیاں اور تیز ہو گئیں۔

"میں تم سے اب کچھ نہ پوچھوں گا! میں سب کچھ جانتا ہوں۔" انور نے کہا۔

"خدا کے لئے تم ہری پور سے چلے جاؤ۔" شاہدہ تھکیاں لٹکی ہوئی بولی۔

"مجھے خاندان کی عزت اپنے غصے سے زیادہ عزیز ہے۔"

"میں کسی کام میں ہاتھ ڈالنے کے بعد اسے اس ہمارا نہیں چھوڑا کرتا۔"

"میں تم سے اتنا کرکتی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے۔"

شاہدہ پھر کچھ سوچنے لگی

"اس واقعے کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔" وہ تھوڑی سے مد بولی۔

"میں وعدہ نہیں کر سکتا۔"

”تب پھر مجھے واپس نہ جانا چاہئے۔“ وہ ایک طرف ہٹتی ہوئی بولی۔

”یعنی.....!“ انور مغلکہ خیر انداز میں بولا۔

”میرے لئے خود کشی ہی بہتر ہوگی۔“ وہ جبیل کی طرف مڑتی ہوئی بولی۔

”تو ادھر کہاں جا رہی ہو۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”جبیل شاید زیادہ گھری نہیں ہے۔“

شاہدہ رک گئی۔

”تمہارے پاس پسول بھی تو ہے۔“ انور نے سنجیدگی سے کہا۔ ”لو میں یہاں سے ہٹا جاتا ہوں شاید میری موجودگی میں تمہیں خود کشی کرتے وقت کچھ جا بھروس ہو۔“

”تم درندے ہو۔“ شاہدہ آہستہ سے بولی۔ ”محمود ٹھیک کہتے تھے۔“

”بھلا اس میں درندگی کی کیا بات ہے۔ میں تو تمہیں ایک معقول مشورہ دے رہا تھا۔“
شاہدہ سر پکڑ کر زمین پر بیٹھ گئی۔

”یہ ادا کاری دکھانے کا وقت نہیں۔“ انور نے سنجیدگی سے کہا۔ ”ذھائی نج رہے ہیں اگر کسی نے واپسی پر ہمیں دیکھ لیا تو محمود تمہیں کل ہی طلاق دے دے گا۔“

شاہدہ اس طرح اچھل کر کھڑی ہو گئی جیسے پچھو نے ذکر مار دیا ہو۔

”خدا کے لئے تم یہاں سے چلے جاؤ۔“

”بس فضول باتیں بند کرو..... گھر کا راستہ ادھر ہے۔“ انور ہاتھ پکڑ کر اسے گھینٹا ہوا بولا۔
دونوں پھر چلنے لگے۔

”میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں کسی سے کہتا نہیں۔“

”تمہاری چھپلی بد اخلاقیاں مجھے انتقام پر مجبور کر رہی ہیں۔“

”تم نہیں جانتے میری ساری زندگی زہر بن گئی ہے۔ میں اپنے لئے بھی عذاب ہوں اور دوسروں کے لئے بھی۔“

”میں جانتا ہوں..... اور اسی دن سے جانتا ہوں جس دن تم چپلی بار قص گاہ میں ملی تھیں۔“

”بعض اوقات میں پا گل ہو جاتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے ان دونوں میں سے کس پر کوئی چلائی تھی۔“

شہدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

”میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔“

”میں کچھ نہیں بتا سکتی۔“ وہ تیز لپجھ میں بولی۔

”تم جانو.....!“ انور نے لاپرواں سے کہا۔

شہدہ چلتے چلتے رُک گئی۔

”میں تم سے خائف نہیں ہوں۔“ وہ گرج کر بولی۔ ”میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ جاؤ تمام

ڈھنڈو را پیٹ دو..... مجھے پروادا نہیں ہے..... اور تم..... تم کتے ہو۔“

انور حیرت سے اُسے دیکھنے لگا اور وہ تیزی سے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ حوصلی نزدیک ہی تھی۔ انور مصلحت وہیں رکارہا۔ اس نے ایک سگریٹ نکالی اور سلاکا کر پینے لگا۔ اس کا داماغ بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔ بے شمار واقعات اور کام کے لکھنے سامنے بکھرے ہوئے تھے۔ بس انہیں ترتیب دینا باقی رہا گیا تھا۔

شروع سے آخر تک کڑیاں ملٹی گئیں۔ مگر وہ آتشی پر نہ۔ اور پھر وہ بھیاں کف آدمی؟ انور چوک پڑا۔ وہ سوچنے لگا ابھی کسی نتیجے پر پہنچ میں جلدی نہ کرنی چاہئے۔ ظاہری اسباب کی ترتیب میں ذہن وہ کوکا بھی کھا سکتا ہے۔ سگریٹ ختم کرنے کے بعد وہ حوصلی کی طرف چل پڑا۔ باغ کا عقیقی دروازہ دوسری طرف سے بند نہیں تھا وہ بہ آہنگی اپنے کرے کی کھڑکی کے پیچے پہنچ گیا اور پھر دوسرے عی لمحے میں وہ اور پر تھا۔ چااغ بجا کر وہ بستر میں گھس گیا۔ نہ جانے کیوں وہ کے اس کی کھڑکی کے نیچے آ کر بھوکنے لگے تھے۔

دوسرے دن صبح ناشتے کی میز پر انور نے محسوس کیا کہ شہدہ کی حالت میں کسی قسم کا فرق نہیں پیدا ہوا۔ اس کی تیوریاں بدستور چھمی ہوئی تھیں۔ اس نے انور کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا چاہئے کے دوران میں وہ اپنی عادت کے مطابق جلی کشی باتیں کرتی رہی۔ اس کے اس روئی سے انور کو ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے کچھلی رات کے واقعات میں کوئی سچائی نہ رہی ہو۔ وہ محض خواب رہے ہوں۔ انور کو اس کی اداکاری پر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ اسے ایک تعلیم یافتہ گمراہی گھر میلو عورت سمجھتا تھا۔

اس کا دماغ نبڑی طرح الجھ کر رہا گیا تھا۔ اس نے پچھلی رات کو گن ایک شے کی بناء پر شاہدہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ سب کچھ جانتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ ڈاکٹر کی بہن کے ساتھی کے متعلق کچھ بھی نہیں جان سکتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاہدہ جو اس کی حقیقت سے واقف تھی کچھ اگلے دے گی مگر ایسا نہ ہو سکا۔ وہ توقعات سے بڑھ کر ختم ثابت ہوئی۔ بہر حال انور کے ذہن میں جو شبہ ریک رہا تھا اس نے حقیقت کی سرحدوں کو چھونے کے لئے ایک نئی شکل اختیار کی۔ جیسے ہی محمود ناشتے کی میز سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگا انور نے اُسے دیکھ کر معنی خیز انداز میں سر ہلا دیا اور مسکرا کر آنکھ مار دی۔

”شرارت نہیں پیارے..... شرافت.....!“

”یعنی.....!“

”اپنے کمرے میں چلو.....!“ انور اٹھتا ہوا بولا۔ وہ سمجھیوں سے شاہدہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے اطمینان میں قطعی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ پھر انور یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ یقیناً شاہدہ کے دماغ میں بھی فتور ہے۔

پندرہ میں منٹ کے بعد جب رانی صاحبہ اپنے مرغی خانے کی دیکھ بھال کے سلسلے میں نوکروں کو ہدایات دینے جا رہی تھیں انہوں نے محمود کے کمرے میں تیز تیز آوازیں سنیں اور انور کو کمرے سے نکلتے دیکھا۔ جس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ رانی صاحبہ کیستھر شیدہ بھی تھی۔

”رسو.....!“ انور تیز لجھ میں بولا۔ ”اپنا سامان درست کرو۔“

”ہم میں کیا بات ہے۔“ رانی صاحبہ نے اُسے آنکھیں چھاڑ کر دیکھا۔

”کوئی بات نہیں۔ میں اب جانا چاہتا ہوں۔“ انور بے رخی سے بولا۔

”آخر کیوں؟“

”مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو وجہ نہ بتا سکوں گا۔“

”تو کیا کسی بات پر ناراض ہو کر جا رہے ہو۔“

”میں اس پر بھی اظہار خیال کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔“

اتھے میں محمود بھی آگیا۔ اس کی آنکھیں بھی غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔

”آخر بات کیا ہے۔“ رانی صاحب نے اس سے پوچھا۔

”کچھ نہیں.....!“

”تم لوگ مجھے بچ پاگل بنادو گے۔“

”رشو.....!“ انور نے رشیدہ کی طرف گھوکر دیکھا۔

رشیدہ دہاں سے چلی گئی۔

شور سن کر شاہدہ بھی آگئی تھی۔ لیکن اب بھی اس کےطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

” محمود تم بتاتے کیوں نہیں۔“ رانی صاحب پھر بولیں۔

”کیا بات ہے۔“ شاہدہ نے آہستہ سے پوچھا۔

”کچھ نہیں.....!“ محمود تک لبجھ میں بولا۔

رانی صاحب سر پکڑ کر ایک صوفے پر بیٹھ گئیں۔

رشیدہ دونوں سوت کیس لے کر آگئی تھی۔

”ارے..... ارے..... تو کیا واقعی۔“ رانی صاحب اٹھتی ہوئی بولیں۔

”ہاں رانی صاحب میں اپنی طبیعت سے مجبور ہوں۔“ انور سوت کیس لے کر برآمدے کی

طرف بڑھتا ہوا بولا۔ رشیدہ اس کے پیچھے تھی۔ اچانک انور مڑا اور محمود کو جا طلب کر کے بولا۔

”لیکن تم یہ نہ کہنا کر میں ہری پور سے جا رہا ہوں۔“

”ہری پور تھیں آج ہی چھوڑنا ہو گا۔“ محمود گرج کر بولا۔

”مُحَمَّد.....!“ رانی صاحب چھپیں۔ ”بے شرم! بد تیز..... چپ رہو۔“

”چھی اماں.....!“

”تم بد تیز ہو..... اس گھر میں کبھی کسی مہمان کی بے عزتی نہیں ہوئی۔“

رانی صاحب محمود پر گرجتی ہی رہیں اور یہ دونوں دہاں سے چل پڑے۔

”لیکن ہم جائیں گے کہاں۔“ رشیدہ نے کپاڈ غار کے باہر آ کر پوچھا۔

” عمران کے گھر.....!“

”آخر بات کیا تھی۔“

”پھر بتاؤں گا۔“

وہ دونوں تیزی سے قبے کی طرف جا رہے تھے۔

نیا میزبان

عمران نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ وہ انور اور رشیدہ سے اس طرح گھل مل کر باتمیں کر رہا تھا جیسے رسول سے انہیں جانتا ہو۔ اس کی توجہ کامر کز زیادہ تر رشیدہ تھی۔

”انور صاحب میں نے آپ کو پہلے ہی حوالی والوں کے چھپھورے پن سے مطلع کر دیا تھا۔“ عمران نے کہا۔ ”میں یہ مان نہیں سکتا کہ آپ کسی ناخنگوار دانتے کے شکار نہیں ہوئے۔ میں ان لوگوں کی رگ رگ سے واقف ہوں۔“

”میں یہ کب کہتا ہوں کہ میں یونہی تفریح آپ کا مہمان بنا ہوں۔“ انور خس کر بولا۔ ”مہمان! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں آپ لوگوں کو اپنا ہی سمجھتا ہوں..... خصوصاً رشیدہ صاحب کی موجودگی تو میرے لئے باعث فخر ہے۔ انور صاحب میں بہادروں کی قدر کرتا ہوں..... اور پھر رشیدہ صاحب نے تو داراب جیسے خوفناک ڈاکو کو ختم کر کے دنیا کو دکھا دیا کہ مشرقی عورتیں بھی کسی سے کم نہیں۔“

”آپ کو ہم لوگوں کے متعلق کس نے بتایا۔“ انور نے پوچھا۔

”حوالی ہی میں معلوم ہوا تھا۔“ عمران خس کر بولا۔ ”اور اس کے بعد ہی میں آپ لوگوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کے لئے بے چین ہو گیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ محمود مجھے کبھی آپ لوگوں سے نہ ملنے دے گا۔ اسی لئے میں نے وہ کل والا بے شکاریتہ اختیار کیا تھا۔ آپ لوگوں کو میری محاذات پر پہنچی تو بہت آئی ہو گی اور جی پوچھئے تو وہ تھا بھی بیکاٹہ طریقہ۔ میں نے آپ کے شکار کا سارا امزہ کر کر کر دیا تھا۔“

رشیدہ ہنسنے لگی۔

”ایک بات اور.....“ انور سجادی سے بولا۔ ” محمود نے مجھے حکمی دی ہے۔“

” حکمی! کیسی حکمی؟“

” یہی کہ اگر میں آج یہی ہری پور سے نہ چلا گیا تو.....!“

” لاشیں گرجائیں گی انور صاحب۔“ عمران اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ ” میرے مہمان کو شیر ڈھی نظر سے دیکھنے والا زمین پر چیرنہ لیک سکے گا۔ یہ حوالی نہیں عمران کا گھر ہے۔“

” ایسا نہ کہو..... وہ یہاں کا سب سے بڑا جاگیر دار ہے۔“

” تو انور صاحب آپ کا یہ خادم بھی کسی سے گیا گذر انہیں۔“ عمران اکٹھ کر بولا۔ ” بخدا میں اس وقت نئے میں نہیں ہوں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں پوری ذمہ داری کے ساتھ۔ میں حق کہتا ہوں کہ میں تو صرف موقعے کی طالش میں تھا۔ ذرا محمود بول کر تو دیکھے۔“

انور خاموش ہو گیا اور عمران اپنے چوڑے چکلے بازوؤں کی طرف دیکھتا رہا۔

” لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ” محمود آپ لوگوں کو خاص

طور سے یہاں لایا تھا۔“

” یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا۔“

” یہ بات سارے قبیلے میں مشہور ہے۔“

” لیکن لوگوں کو یہ بات معلوم کیسے ہوئی۔“

” حوالی ہی والوں کے ذریعے سے۔“

” اوہ.....!“ انور کچھ سوچنے لگا۔

” میرا خیال ہے کہ آپ نے شاید انہیں منع کر دیا تھا کہ آپ کے آنے کا مقصد کسی سے نہ بتائیں۔“ عمران مسکرا کر بولا۔

” آپ کا خیال صحیح ہے۔“ انور اسے گھورتا ہوا بولا۔

” اور ان لوگوں نے اس کے خلاف کیا..... آخر کیوں؟“

” یہی میں بھی سوچ رہا ہوں۔“ انور نے کہا۔

” آپ سوچنے ہی رہ جائیں گے۔“ عمران نہ کر بولا۔ ” آپ محمود کو نہیں جانتے۔ وہ

انہائی مکار اور کینہ تو ز آدمی ہے۔ ایک طرف تو وہ آپ کو اس پرندے کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے لا یا اور پھر آپ کی تاکید کے باوجود بھی اس نے اس کا تذکرہ دوسرے لوگوں سے کر دیا۔ اس سے آپ کیا سمجھتے ہیں۔“

”عمران صاحب..... آپ بہت ذہین آدمی ہیں۔“ انور اسے مصنوعی حیرت سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”میں سوال میرے ذہن میں بھی تھا۔“

”اور مجھے یقین ہے کہ میں سوال آپ کو اس پرندے کی حقیقت تک لے جائے گا۔“
انور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آہستہ سے بولا۔
”آپ تمیک کہتے ہیں۔“

” محمود سے کوئی قبیلے میں خوش نہیں ہے۔“ عمران نے کہا۔
”آخر کیوں؟“

”محض اس کی کینہ پروری کی بناء پر۔“

”ایک بات تو میں بھی کہوں گا۔“ انور سجادگی سے بولا۔ ”شہدہ جیسی یہک لڑکی ہرگز اس کے قابل نہ تھی۔“

”تمیک ہے۔“ عمران زہر خند کے ساتھ بولا۔ ”دولت زندگی کی دوسرا قدر دوں سے زیادہ اعتم ہے۔“

تو کیا اس کی شادی محمود کے ساتھ زبردستی کی گئی ہے۔“ انور نے انجام بنتے ہوئے پوچھا۔
”یہ ایک بھی داستان ہے انور صاحب۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ شہدہ رضا مند نہیں تھی لیکن اس سمجھوتے کی وجہ دولت ہی تھی۔ محمود کے پچالا ولد تھے یعنی رانی صاحبہ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے محمود کو گود لے لیا تھا اور راجہ صاحب شہدہ کو بھی بے حد چاہئے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ محمود اور شہدہ کی شادی ہو جائے۔ لہذا انہوں نے وصیت کی کہ محمود اسی حالت میں ان کی پوری جائیداد کا وارث ہو سکتا ہے جب وہ شہدہ سے شادی کر لے، ورنہ نہیں۔ ایسی صورت میں آپ خود سوچ سکتے ہیں۔“

”تو کیا شہدہ رضا مند نہیں تھی۔“

”میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔“

”کچھ تو ہے جس کی پرداز داری ہے۔“ انور اسے آنکھ مار کر مسکراتا ہوا بولا۔

عمران ہنسنے لگا۔ مگر اس کا قہقہہ بالکل کھوکھلا اور بے جان تھا۔

”یہ تو آپ بھی جانتے ہیں۔“ عمران نے کہا اور یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”میں کینہ تو زندگی ہوں انور صاحب..... محمود اچھی طرح جانتا ہے کہ جب بھی مجھے موقع مل گیا اسے نقصان پہنچانے سے باز نہ آؤں گا۔ اگر اس کے حصے میں آئی ہوئی دولت شاہدہ کو خرید سکتی ہے تو میرا انتقامی جذبہ بھی کچھ کر سکتا ہے۔ میں افلاطونی عشق کا قائل نہیں ہوں اور نہ ہی نیک آدمی ہوں۔ میں نے شراب کا پہلا پیگ اس وقت پیا تھا جب میں دس برس کا تھا۔“

”شاہدہ بھی تمہیں چاہتی تھی۔“ انور نے پوچھا۔

”میں نے یہ جانے کی کبھی کوشش نہیں کی۔“

”تو پھر کوئی بات ہی نہ ہوئی۔“ انور بولا۔

”یہ ضروری نہیں کہ وہ بھی مجھے چاہتی ہو۔“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اب بھی جب کوئی کے افراد مجھ سے نفرت کرتے ہیں شاہدہ اس معاملے میں ان سے بالکل الگ تھلگ نظر آتی ہے۔ وہ خود کبھی بد اخلاقی سے پیش نہیں آئی۔ شادی سے قبل بھی اس کا یہی رویہ تھا حالانکہ میرے اعزہ مجھ سے ہمیشہ نفرت کرتے رہے ہیں۔“

”ممکن ہے کہ وہ ازراؤ شرافت ایسا کرتی رہی ہو۔“ انور نے کہا۔

”تو میں کب اسے کہیں پن سمجھتا ہوں۔“ عمران فس کر بولا۔ ”مجھے اس سے محبت تھی اور ہے۔ اب یا تو محمود کو مرنا پڑے گا یا شاہدہ کو طلاق دینی پڑے گی..... آپ فس رہے ہیں۔ بخدا میں نہیں ہوں۔ آپ کو یہ باتیں عجیب لگتی ہوں گی مگر میں بالکل سنجیدہ ہوں۔ میں اپنی کمزوریوں کو قلسے یا منطق کی چادر میں چھپانے کا قائل نہیں۔ میں شاہدہ کی گلوظاں سی چاہتا ہوں چاہے وہ جس صورت میں ہو۔“

”خیر چھوڑو.....!“ انور سگریٹ سلاکتا ہوا بولا۔ ”یہ بتاؤ کہ شاہدہ شادی سے قبل بھی چڑچی تھی۔“

”ہرگز نہیں.....!“ عمران بولا۔

”پھر آخر اس کے چڑچے پن کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔“

”محمود کی عیاشی اور ادباشی۔“

”اگر یہ بات ہے تو تمہیں بتاؤ کہ وہ تم مجھے بدنام آدمی سے کیسے شادی کر لیتی۔“

”خدا کی قسم اگر وہ مجھ سے کہتی تو میں شراب قطعی ترک کر دیتا۔ حالانکہ شراب میری زندگی کا جزو لازم بن کر رہ گئی ہے۔ میں مر جاتا مگر شراب نہ پیتا۔ انور صاحب وہ جس طرح کہتی میں اسی طرح زندگی بسرا کرتا۔ انور صاحب میں مر جاتا.....مگر.....!“

”ٹھیک ہے۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ مگر میں نے سنا ہے کہ محمود قبیل میں بہت نیک نام ہے۔“

”میں پھر کہتا ہوں انور صاحب کو وہ بڑا مکار ہے۔ اس کے سیاہ کار ناموں سے تو میں واقف ہوں۔“

”مثلاً.....!“ انور نے کہا اور اپنی ساری توجہ اس کی طرف منعطف کر دی۔

عمران نے محمود کی عیاشی کی ایک داستان چھینگ دی لیکن انور کو اس میں کوئی الی چیز نہ مل سکی جو اس کے کام کی ہوتی۔

رشیدہ اس گفتگو میں قطعی کوئی دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔ وہ محمود اور انور کی اچانک لڑائی کی وجہ جانتا چاہتی تھی آخر یہ یک بیک کیا ہو گیا۔ رانی صاحبہ پر اس کا کیا رد عمل ہوا ہو گا۔ اسے اس دوران میں اس سے بے پناہ محبت ہو گئی تھی۔ ان کے لئے میں اتنی گلہادت اور مامتناہی کر بعض اوقات اس کا بے اختیار یہ دل چاہتا تھا کہ ”ماں“ کہہ کر اس سے پشت جائے۔

کبھی وہ یہ سوچتی کہ شاید انور نے یہ سب کچھ سوچی سمجھی ایکھم کے تحت کیا ہے۔ محمود سے اس کی لڑائی مصنوعی تھی مگر خیال آتا کہ اتنی بے ساخت قسم کی جگ مصنوعی نہیں ہو سکتی۔ اسے محمود کی سرخ سرخ اور اپنے حلتوں سے ابلتی ہوئی آنکھیں اچھی طرح یاد تھیں۔ غصہ مصنوعی ہو سکتا ہے لیکن اس کا خارجی رد عمل ہرگز مصنوعی نہیں ہو سکتا۔ مصنوعی غصے میں آدمی جیت تو سکتا ہے لیکن اس کی آنکھیں نہیں سرخ ہو سکتیں۔

تحوزی دیر دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد انور نے پھر مطلب کی

باتیں شروع کر دیں۔

”تم نے میرا میز بان بننا تو منکور کر لیا ہے لیکن اگر اس سے تمہیں کوئی نقصان پہنچا تو میں ذمہ دار نہ ہوں گا۔“

”کس قسم کا نقصان ۔۔۔؟“ عمران چوک کر بولا۔ ”کیا واقعی آپ مجھے محمود سے کمزور بھجتے ہیں۔“

”محمود کی بات نہیں..... میرا اشارہ اس آتشی پرندے کی طرف تھا۔“

عمران خاموش ہو گیا اس کے انداز سے ایسا معلوم ہوا رہا تھا جیسے وہ کچھ کہتے ہوئے پچکارہا ہے۔ انور اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ رشیدہ بھی اس کی اس اچانک تبدیلی پر حیران ہوئی۔ حرمت کی بات بھی تھی کیونکہ عمران ابھی کچھ ہی دریقیل بہت بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہا تھا۔

”غائب تھماری میرا بانی کا جوش خٹھدا پڑ گیا۔“ انور مسکرا کر بولا۔

”یہ بات نہیں انور صاحب۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر جوچ مجھے بھی اسی حادثے سے دوچار ہونا پڑا تو آگ پر قابو پانے کے لئے کون سی تدبیر اختیار کی جائے گی۔“

انور ہنسنے لگا۔

”خیر بھی دیکھا جائے گا۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ”قیل از مرگ دادیا سے کیا فائدہ۔ ہاں یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کر کر وندے کے جنگل کے متعلق کیا رہا۔ میں نے سارے انتظامات مکمل کر لئے ہیں۔“

”بیکار ہے۔“ انور نے لاپرواٹی سے کہا۔ ”خواہ مخواہ در درسری مول لینے سے کیا فائدہ۔“

”میں کل ہی سمجھ گیا تھا کہ آپ اس مقصد سے اہر نہیں جانا چاہتے جو آپ نے ظاہر کیا تھا۔“

”تم غلط سمجھ۔“ انور نے کہا۔ ”میں اسے جنگلیوں کا جادو نہیں سمجھتا۔“

”چھ.....!“

”کسی انتہائی احتیاط آدمی کا کارنامہ..... جو محض مکانوں میں آگ لگانے کے لئے اتنی در درسری مول لیتا ہے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”عقریب سب کچھ سمجھ میں آجائے گا۔“ انور مسکرا کر بولا۔

عمران کچھ سوچنے لگا۔ اس کی پیشانی پر مل پڑ گئے تھے۔ حوزہ دیر بعد وہ پھر ان کی طرف
خاطب ہوا۔

”اچھا اب آپ لوگ آرام کجھے۔ میں کچھ دیر کے لئے اجازت چاہوں گا۔“

”کسی قسم کے تکلف کی ضرورت نہیں۔“ انور نے مسکرا کر کہا۔ ”ہاں میرا دل چاہتا ہے کہ
جیل میں چھیلوں کا شکار کھیلوں۔“

”ضرور..... ضرور..... میں کائنے وغیرہ مہیا کر دوں گا۔“

”کائنے نہیں جال.....!“ انور نے کہا۔

”جال کے شکار میں کیا لطف آئے گا۔ خیر جال بھی مل جائے گا۔“

عمران چلا گیا اور انور انہ کر کرے کا جائزہ لینے لگا۔ اس مکان میں عمران دو ملازمین کے
ساٹھ تھا رہتا تھا۔ اس کے خاندان کے بقیہ افراد دوسرے مکان میں رہتے تھے۔ شاید خود انہیں
لوگوں نے عمران کو الگ کر دیا تھا یہاں وہ سارے لوازمات مہیا تھے جو ایک عیاش ریس کے لئے
ضروری ہو سکتے تھے۔

رشیدہ ان سب چیزوں میں کوئی بھی نہیں لے رہی تھی۔ اس کے ذہن میں تو صرف ایک
سوال گونج رہا تھا کہ واقعات کا یہ نیا موز کیا معنی رکھتا ہے۔

”انور.....!“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”میری کچھ میں نہیں آتا کرم کیا کرنے والے ہو۔“

”میں محبت کرنے والے ہوں۔“

”دیکھو مجھے خواہ مخواہ ابھن میں مت جلا کرو۔“

”میں نے ابھی تک کوئی ایسی حرکت نہیں کی۔“

”تم محمود سے کیوں لا گئے۔“

”میں نہیں لا بلکہ وہ خود لے گیا۔“

”آخر کیوں؟“

”انور نے اسے رات کے سارے واقعات بتا دیئے اور رشیدہ اسے تھیر آمیز نظر وہ سے
دیکھنے لگی۔“

”تو کیا تم نے اسے شاہدہ کے متعلق بتا دیا تھا۔“ اُس نے پوچھا۔

”قطیعی نہیں۔“ انور نے کہا۔ ”میں نے صرف اس سے اتنا کہا تھا کہ رات ڈاکٹر کی بہن جبیل کے کنارے کسی کی مرمت کر رہی تھی۔ اس پر وہ تھوڑی دری تک خاموش رہا پھر یکاں خود بخود پا گل کتے کی طرح بھوکنے لگا۔ جبیل باقی ناکل بیٹھا۔ کہنے لگا اگر تم یہاں رہے تو حوالی را کہ کا ڈھیر ہو جائے گی۔ گاؤں والے الگ بدظن ہو گئے ہیں اس طرح بات بڑھ گئی۔“

رشیدہ پچھہ سوچنے لگی۔

”لیکن وہ کون تھا جسے تم نے ڈاکٹر کی بہن کے ساتھ دیکھا تھا۔“ وہ تھوڑی دری بعد بولی۔

”محمود.....!“ انور نے کہا اور سگریٹ نکالنے کے لئے جیب ٹوٹنے لگا۔

”محمود.....!“ رشیدہ نے تحریر آمیز انداز میں دہرا�ا۔

”ہاں محمود! یہاں کوئی خطرناک ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے۔“ انور نے سگریٹ سلاکتے ہوئے کہا۔ ”محمود کو شبہ ہو گیا ہے کہ شاید میں نے ہی ان دونوں پر کوئی چلائی تھی۔“

”اگر اس نے یہ سمجھا ہے تو بالکل احق ہے۔ بھلام تم اس پر گوئی کیوں چلانے لگئے؟“

”اتی ہی عصی ہوتی تو جا گیر دار کیوں ہوتا۔“

”تم نے اسے بتا کیوں نہیں دیا کہ کوئی شاہدہ نے چلائی تھی۔“

”نہیں میں نے اسے مناسب نہیں سمجھا۔“

”اور کیا وہ جانتا ہے کہ تم نے اسے پہچان لیا تھا۔“

”ظاہر ہے، جبی تو وہ اس پر مصر ہے کہ میں ہری پور سے چلا جاؤں۔“

”لیکن تم نے اس سے یہ نہیں کہا کہ تم اسے پہچان گئے تھے۔“

”نہیں.....!“

رشیدہ پھر کسی سوچ میں ڈوب گئی۔

”شام کو تم لوگ جبیل میں پھیلوں کا شکار کھیلیں گے۔“ انور تھوڑی دری بعد بولا۔

”بس تمہیں ہی مبارک رہے۔“ رشیدہ بے دلی سے بولی۔

”خبر! یہ اور اچھا ہے کہ تم میری دم میں تہ بند ہو گی۔“

"تم یہ کہہ کر بھی مجھے سمجھیوں کے شکار پر آمادہ نہیں کر سکتے۔"

شکار اور شکاری

"تم ڈاکٹر سے ملی ہو۔" انور نے رشیدہ سے پوچھا۔

"نہیں.....!"

"چلو تمہیں اس سے ملاو۔ بہت معقول آدمی ہے۔"

"بھی میں تھے جانے کیوں کل رات سے تھکن محسوس کر رہی ہوں۔ سر میں بھی درد ہے۔"

"تو پھر تمہیں تو ڈاکٹر سے ضرور ملتا چاہئے۔"

"ہاں..... اچھا..... خیر چلو۔" رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

دیکھ گئے تھے۔ انور عمران کے نوکر کو اطلاع دے کر ڈاکٹر کے گھر کی طرف چل پڑا۔ رشیدہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ یہ لوگ اس وقت پہنچے جب ڈاکٹر مطب سے انھے کر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ انور اور رشیدہ کو دیکھ کر وہ بزرگانہ انداز میں سکر لیا۔

"آئے آئے!" وہ انور سے مصافی کرتا ہوا بولا۔ "اس رات کے بعد سے تو پھر آپ سے ملاقات ہی نہ ہوئی۔ میں ہمیں اس وقت جو یہی کی طرف جا رہا تھا۔ حاضر آپ سے ملنے کے لئے۔" پھر وہ رشیدہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ "آپ کی تعریف۔"

"یہ میری دوست مس رشیدہ ہے۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔" ڈاکٹر نے رشیدہ سے مصافی کرتے ہوئے مینہنے کا اشارہ کیا۔

"اگلی طبیعت کچھ بھاری تھی۔" انور نے کہا۔ "لبذا میں نے سوچا کہ آپ ہی پاس چلوں۔"

ڈاکٹر تھوڑی دریکھ رشیدہ کی طبیعت کا حال پوچھتا رہا پھر کہا تو اندر کو آواز دے کر اسے کچھ ہدایتیں دیں۔

"بس ایک ڈوز پی لجیئے بالکل صحیک ہو جائے گا۔"

رشیدہ انھ کر دوا خانے کی طرف چلی گئی۔

”ہاں تو انور صاحب.....!“ ڈاکٹر میز پر دونوں ہاتھ بیک کر انور کی طرف جھلتا ہوا بولا۔

”پرسوں رات کو میں آپ کی شخصیت سے واقف نہیں تھا۔“

انور صرف مسکرا کر رہا گیا۔

”اس کی اطلاع تو آپ کو ملی ہو گی کہ کل رات کو میرے گھر میں بھی آگ لگ گئی تھی۔“

ڈاکٹر بولا۔ ”قبل اس کے کہ میں اس پرندے پر گولی چلاتا وہ حیث پر بینہ چکا تھا۔ لیکن انور صاحب کل مجھے اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ اس حرکت میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے۔“

”وہ کیسے.....؟“ انور حیرت کا انکھاڑ کرتا ہوا بولا۔

”کسی نے پرندوں چھڑک کر مکان کے عقبی حصے میں آگ لگائی تھی اور میں نے ایک آدمی

کو بھاگتے بھی دیکھا تھا۔ قبل اس کے کہ میں اس کا تعاقب کرتا وہ کہیں غائب ہو گیا۔“

”آپ کے علاوہ اور کسی نے اس قسم کی اطلاع نہیں دی۔“

”مجھ میں اور دوسروں میں ایک بہت بڑا فرق ہے۔“ ڈاکٹر مسکرا کر بولا۔ ”دوسرا لوگ اس پرندے سے خائف تھے لیکن میں نہیں تھا۔ دوسروں کے اوسان ہی بجا نہیں رہتے کہ وہ ان چیزوں کی طرف غور کر سکیں۔“

”جس وقت آگ لگی آپ کے ہاتھ میں رائق تر ہو گی۔“ انور نے کہا۔

”ہاں تھی تو..... میں اس پرندے کی تاک میں تھا۔“

”تو پھر آپ نے اس بھاگنے والے پر فائز کیوں نہیں کیا۔“

”یقیناً مجھ سے غلطی ہوئی۔“ ڈاکٹر سوچتا ہوا بولا۔ ”مگر غلطی کیوں۔ بات دراصل یہ ہے انور صاحب کہ میری سب سے بڑی کمزوری ہے کہ میں کسی آدمی پر اس قسم کا حملہ نہیں کر سکتا جس سے ان کی چان چانے کا احتمال ہو۔“

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ دیوار پر گئے ہوئے ایک چارٹ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”اس کا تذکرہ آپ نے کسی اور سے بھی کیا ہے؟“ انور نے پوچھا۔

”میں دراصل اسی کے متعلق آپ سے مشورہ کرنا چاہتا تھا۔“ ڈاکٹر کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”ابھی تک میں نے کسی سے اس کا مذکور نہیں کیا۔“

”کیا کسی خاص خیال کے تحت آپ نے ایسا کیا ہے۔“

ڈاکٹر چونک کر انور کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ”کیوں؟ کیا آپ پر میرا

خیال واضح نہیں ہوا۔ کیا اس واقعے کو شہرت دینے سے مجرم ہوشیار نہ ہو جائے گا۔“

”ٹھیک ہے..... لیکن وہ پرندہ۔“

”میں ابھی تک اس کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کر سکا۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”حوالی والوں سے آپ کے کیسے تعلقات ہیں۔“ انور نے اپاٹک پوچھا۔

ڈاکٹر اسے عجیب نظر وہ سے دیکھنے لگا۔ پھر اس کے ہونٹ ایسے انداز میں سکڑ گئے چھیے وہ

انور کا مٹھکہ اڑانے کا ارادہ کر رہا ہو۔

”اس سلسلے میں آپ کا یہ سوال قطعی غیر متعلق معلوم ہوتا ہے۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔

”بہر حال میں آپ کا دل نہیں تو زنا چاہتا۔ میں یہاں ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے جواب دوں یا ایک عام آدمی کی حیثیت سے۔“

”میرا خیال ہے کہ یہ دونوں طبقیتیں آپ کی شخصیت سے الگ نہیں کی جاسکتیں۔“ انور
نے انتہائی خلک لبھ میں کہا۔

”بھیت ڈاکٹر میرے ان کے تعلقات کا رو باری ہیں اور بھیت ایک عام آدمی حوالی کی
اکثر دعوتوں میں شرکت کر چکا ہوں۔ اگر تعلقات سے آپ کی مراد زیادہ ربط و ضبط ہے تو میں اس
کا قائل ہی نہیں۔ میرا کبھی کسی سے زیادہ ربط و ضبط نہیں رہا۔“

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ رشیدہ اور ڈاکٹر کی بہن دکھائی دیں۔ وہ نہایت بے تکلفی سے
رشیدہ کی گردن میں ہاتھ ڈالے دو اخانے سے آرہی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف کے بجائے
متانت اور سنجیدگی تھی۔ کپڑے بھی اس نے کافی سلیقے سے پہن رکھے تھے۔

”بھیا یہ میری کیلی ہیں۔“ وہ ڈاکٹر سے بولی۔

ڈاکٹر اسے ان حال میں دیکھ کر گھبرا گیا۔

”ٹھیک ہے سلیم..... ٹھیک ہے۔“ وہ اٹھتا ہوا بولا۔ ”لیکن گردن میں ہاتھ نہیں ڈالا کرتے۔“

”کوئی پریشانی کی بات نہیں۔“ رشیدہ مسکرا کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتی ہوئی بولی۔
دونوں بیٹھے گئیں۔ سلیمان رہا تھا اب بھی رشیدہ کی گردن میں تھا۔

”تم بہت اچھی ہو۔“ وہ رشیدہ کے گال پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی۔ ”شاید تم شتر مرغ کی
بہن ہو۔“

”سلیمان.....!“ ڈاکٹر ملتجیان اندز میں بولا۔

”آپ فکر مت کیجئے۔“ رشیدہ نے پھر کہا۔

”رانی صاحب کے خاندان میں محمود سب سے زیادہ نیک ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا.....؟“
انور نے اچاک پوچھا۔

ڈاکٹر جو اپنی بہن کی طرف دیکھ رہا تھا پوچھ کر انور کی طرف مڑا۔

”محمود واقعی اچھا آدمی ہے۔ اس قبے میں اس کا دم غیبت ہے۔“ وہ مسکرا کر بولا۔

”محمود.....!“ سلیمان جیخ کر بولی۔ ”وہ سور کا بچہ ہے۔“

”سلیمان خدا کے لئے۔“ ڈاکٹر احستا ہوا غزدہ آواز میں بولا۔ پھر انور کی طرف متوجہ ہو کر
معذرت کرنے لگا۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ اپنے ہوش میں نہیں ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔“ انور آہستہ سے بولا۔ ”اچھا اب ہم اجازت چاہیں گے۔“

”تم بھی جاتی ہو۔“ سلیمان رشیدہ کو کھینچ کر بھاتی ہوئی بولی۔ ”نہیں میں تمہیں نہ جانے دوں گی۔“
رشیدہ ہنسنے لگی۔

”اچھا میں نہیں جاؤں گی۔“ رشیدہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ پھر انور سے کہنے لگی۔ ”تم جاؤ
میں تھوڑی دری بعد آؤں گی۔“

واپسی میں انور رشیدہ کی ذہانت کی تعریف کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہ یقیناً کوئی کام کی
بات معلوم کر کے واپس آئے گی۔

ادھر عمران نے ٹھنڈی میں تین چار جال پھیلا رکھے تھے۔ ان میں سے کچھ بوسیدہ تھے جن کی
مرمت کی جاری تھی۔

”بھتی کمال کر دیا۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”ارے ایک کافی تھا۔“

”ان میں سے جو پسند ہو منتخب کر لجئے حالانکہ میں جانتا ہوں کہ تفریحیاً چھلی کا شکار کھلئے والے کبھی جال استعمال نہیں کرتے لیکن پھر یہ سوچتا ہوں کہ شاید یہ جال آپ آسان پر لگا گیں۔ انور صاحب میں کبھی آپ کو مشورہ نہ دوں گا۔ یہ آپ کے بس کاروگ نہیں معلوم ہوتا۔ شروع میں قبصے والوں نے کئی بہت بڑے بڑے عالموں کی اعانت حاصل کی تھی لیکن وہ منہوس پرندہ جوں کا توں رہا۔

”لیکن اب میں اسے جوں کا توں نہیں رہنے دوں گا۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”تم ڈروں نہیں میں اس سلسلے میں تم سے اور کوئی مدد نہیں لوں گا۔“

”شاید آپ مجھے بزدل سمجھتے ہیں۔“ عمران لجئے لجئے میں بولا۔

”یہ بات نہیں..... میں خود زیادہ بھیز نہیں چاہتا۔“

”آپ کی مرضی!“

”ہاں ایک بات اور.....“ انور نے کہا۔ ”آج ذرا ہوشیار رہنا۔ ممکن ہے کہ آج تمہارے ہی مکان کی باری ہو۔“

”مجھے اس کی فکر نہیں۔“ عمران لاپرواٹی سے بولا اور انور چند سیکنڈ معمی خیز انداز میں اس کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد جال منتخب کرنے لگا۔ عمران اُسے تشویش آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بھاری غلطی کر بیٹھنے کے بعد پچھتا رہا ہو۔ دھننا انور اس کی طرف پلاتا۔

”ڈاکٹر نصیر کی بہن سلیم کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟“

”آپ کے سوالات بڑے عجیب ہوتے ہیں۔“ عمران کے لجئے میں تھی تھی۔

”مطلوب یہ ہے کہ وہ کافی خوبصورت ہے۔“

”ہاں ہے تو.....!“

”سنا ہے محمود اس میں کافی دلچسپی لیتا ہے۔“

”ہو سکتا ہے لیکن مجھے اس کا علم نہیں۔“

”تم نے کوشش کی۔“ انور رازدارانہ لجئے میں بولا۔

”کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ قبل مجھے پاگل کتنے نہیں کام کا۔“

”کیوں؟ کیا تم اس سے ڈرتے ہو۔“

”آپ اس وقت دلچسپ باتیں کر رہے ہیں۔“ عمران طنزیہ لمحے میں بولا۔ ”کیا آپ کسی

پاگل سے ڈوتی کر سکتے ہیں؟“

”کیوں نہیں؟ کیا تم رشیدہ کو پاگل نہیں سمجھتے۔“

”خیر آپ اب مذاق پر اتر آئے۔ میں سمجھا تھا شاید آپ سنجیدگی سے گفتگو کر رہے ہیں۔“

”بندہ میں قطعی سنجیدہ ہوں۔“ انور نے کہا۔ ”سلیمان بہت آسانی سے۔“

”بس بس رہنے دیجئے۔“ عمران بس کر بولا۔ ”تجھے اپنی ناکارہ زندگی بہت عزیز ہے۔“

”کیوں؟ کیا وہ حملہ بھی کر سکتی ہے۔“

”کیوں نہیں..... پچھلے ہی مینے کی بات ہے کہ ایک صاحزادے نے اسے چھیڑ دیا تھا۔

پھر اس نے اس کی ایسی مرمت کی کہ وہ ایک ہفتے تک پچھ سے اشتبہ نہیں پائے۔ یہ میرا چشم دید
واقع ہے۔ اس نے کسی پاگل کتیا کی طرح ان کی بوئیاں نوچ کر رکھ دی تھیں۔ پھر اس دن سے
کسی کی ہمتوں نہیں پڑی اور وہ یہ دہ کسی سے بولتی بھی نہیں۔“

”تو اس کا یہ مطلب کہ اسے چھیڑنا خطرناک ہے۔“ انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لیکن ایسی

صورت میں بھی بعض بے جگد ایسے ہوں گے جو اسے چھیڑنے سے بازنہ آتے ہوں گے۔“

”یہ یعنی آپ کا خیال ہے۔“ عمران سنجیدگی سے بولا۔ ”جس وقت وہ گھر سے باہر نکلتی ہے

پورے گاؤں میں سناٹا چھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ دراصل وہ روایت ہے؟ اس کے متعلق مشہور ہے

کہ اس پرندے کا تعشق اسی کی ذات سے ہے۔“

انور کچھ سوچنے لگا۔ اس کے ذہن میں کئی سوال ابھر آئے تھے۔ محمود اس سے کیوں خائن

نہیں ہے؟ اور وہ دونوں جیسیں کے کنارے کیا کر رہے تھے۔ اگر محمود اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنانا

چاہتا تھا تو اس نے اس کی بوئیاں بھی کیوں نہیں اڑا دیں۔ وہ سوچتا رہا اور عمران اٹھ کر چلا گیا۔

انور یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ عمران نے جس گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا تھا اب اس کی جگہ

ایک تم کی اکتاہٹ نے لے لی ہے۔

تمہوڑی دیر بعد رشیدہ واپس آگئی۔ انور اسے دیکھ کر مسکرا یا اور جال چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔
”تو کیا تم حق شتر مرغ کی بہن ہو۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔

”فضول باتیں مت کرو..... میرا مودہ ٹھیک نہیں ہے۔“

”کیا ڈاکٹر کی بہن نے تمہاری بھی مرمت کر دی۔“

”مجھے اس سے ہمدردی ہے۔“

”اور اسی ہمدردی کی وجہ سے تمہارا مودہ خراب ہو گیا ہے۔“ انور منہ سکوڑ کر بولا۔

”کوئی کام کی بات ہے؟“

”کچھ نہیں! یہ بھی میری ایک حمافت تھی۔ بھلا کسی محبوب الحواس سے کوئی کام کی بات معلوم

ہو سکتی ہے۔“

”خیر..... خیر..... اچھا مجھے کام کرنے دو۔“ انور پھر بینٹھ کر جال کی مرمت کرنے لگا۔

رشیدہ دوسری طرف چلی گئی۔ وہ بھی ضرورت سے زیادہ اکتا گئی تھی۔ اس کیس میں اسے ذرہ برابر بھی لطف نہیں آ رہا تھا۔ جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ابھی تک نہ تو انور اور نہ وہ خود کوئی تھیوری بنا سکی تھی۔ بس چند واقعات کی بناء پر اندر میرے میں تیر چلانے جا رہے تھے۔

ان سب پاؤں کے باوجود انور ہمت نہیں ہوا تھا۔ اس کا خیال کہ بعض اوقات بغیر سوچے سمجھے افعال بھی مقصد تک پہنچا دیتے ہیں بالکل اسی طرح جیسے ساز کے پر دوں پر بلا مقصد رنگتی ہوئی الگیاں غیر شعوری طور پر وہی دھن پیدا کر لئی ہیں جس کیلئے وہ عرصے سے بے تاب تھیں۔

وہ مچھلیوں کے جال کو ایک خاص ڈھنگ سے ترتیب دیا رہا۔

اور پھر سورج غروب ہونے سے قبل ہی جال سمیت جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ رشیدہ کو اس دوران میں اچھا خاصا بخار ہو گیا اور اسے اتنی بھی سدھنہ رہی کہ وہ انور کو اس کے ارادے سے باز رکھ سکتی اور عمران نے جانے کیوں انور سے رسائی بھی نہ پوچھا کہ اس کی مدد کی ضرورت تو نہ ہو گی۔

سورج غروب ہو چکا تھا اور انور کسی ایسے درخت کی تلاش میں تھا جو اس کے متعین کردہ خیال نقشے کے احاطے میں ہو۔ اسے یہ یقین تھا کہ وہ پرندہ آج بھی نمودار ہو گا مگر اس کا رخ

آٹی پرندہ

کدھر ہو گا اس کا تصفیر وہ نہ کر سکا۔ باودی افظار میں تو یہی معلوم ہوتا تھا کہ آج عمران کے گھر کی باری ہے لیکن محرم اتنا احق نہیں ہو سکا۔ وہ ابھی تک اس پرندے کو دوسروں کی گرفت سے محفوظ رکھنے کیلئے کافی احتیاط بر ت پکا تھا۔ انور کے خیال کے مطابق اس پر کوئی پڑتے ہی جو دھماکہ ہوا تھا اس کا مقصد یہی تھا کہ پرندے کے چیزوں سے اڑ جائیں اور وہ کسی کے ہاتھ نہ لگ سکے۔

آہستہ آہستہ تاریکی پھیلتی جا رہی تھی۔ آخر تھوڑی دیر کی جدو چجد کے بعد اسے ایک موزوں درخت میں گیا۔ اس نے اہر اہر دیکھا اور درخت پر چڑھنے لگا۔ بیشکل ایک شاخ تک ہاتھ پہنچا تھا کہ کہیں قریب ہی سیشوں کی بیلی بیلی آوازیں سنائی دیں۔ بلکہ بالکل دیکھی ہی جیسی حوالی میں آتشزدگی کے موقتے پر سنائی دی تھیں..... انور حتم گیا۔

وہ پھر نیچے اتر آیا اور اب وہ جھکا ہوا آہستہ آہستہ سیٹی کی آواز کی طرف ریک رہا تھا۔ آوازیں جیبل کی سمت سے آ رہی تھیں۔ چند لمحوں کے بعد سنایا چھا گیا لیکن انور بدستور جیبل کی سمت بڑھ رہا تھا۔

اچانک ایک زور دار گھوٹر اس کی کپٹی پر پڑا اور وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ قبیل اس کے کر دہ سنجلا اس کی گردن کسی کی آہنی گرفت میں تھی اور دخنخوار آنکھیں جن سے درندگی پک رہی تھی اس کے چہرے پر بیلی ہوئی تھیں۔ انور کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کی قوت مدافعت زائل ہوتی جا رہی ہے۔ دخنخوار آنکھوں کے دائرے و سیچ ہوتے جا رہے تھے۔ تاریک پس مختر میں اس کے چہرے کے قریب دو انگلی ٹھیک دیکھ رہی تھیں۔ آہستہ آہستہ دو انگلی ٹھیک بھی سرد ہو گئیں اور پھر تاریک رات سے زیادہ گہری تاریکی چھا گئی۔

نہ جانے کتنی دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ اس کے گال پر کوئی چیز ریک رہی ہے جسے اس نے افظاری طور پر پرے جھنک دیا اور بوكلا کراٹھ بیٹھا۔

چاروں طرف دھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ پہلے تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی بڑے صندوق میں بند ہے لیکن آہستہ آہستہ جب اس کی آنکھیں اس نے ماحول کی عادی ہو گئی تو پچھڑا کر وہ ایک خیے کے نیچے بیٹھا ہے۔ دائیں طرف دروازے کے قریب دو موم یتیاں روشن تھیں۔ ایک طرف لکڑی کا ایک بے ہنگم ساخت تھا جس پر ایک عجیب الالتقت آدمی بیٹھا اسے گھور

رہا تھا۔ انور کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی ریڑھ کی ٹڈی میں بے شمار کیڑے رینگنے لگے ہوں۔

انکشاف

یہ ایک قد آور اور بھاری مجرم آدمی تھا۔ چہرے پر ڈاڑھی اور موچھیں کچھ اس بے ترجمی سے اُگی ہوئی تھیں کہ انور کو بے ساخت کروندے کی جھاڑیاں یاد آگئیں۔ اس کا چہرہ وحشیوں جیسا تھا جن لباس مہذب دنیا کا تھا۔ شاید وہ انور کے استجواب سے حفظ ہو رہا تھا۔ اس کی بولکلاہٹ دیکھ کر اسی کی سمجھی موچھوں میں جبیش ہوئی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ انور کا ہاتھ آہستہ جیب کی طرف پڑھ رہا تھا۔

”بیکار ہے یہی۔“ وہ خس کر بولا۔ ”میں اتنا احتیاط نہیں ہوں کہ تمہارا پستول تمہارے جب میں رہنے دیتا۔“

”میں سگرہٹ کا پکٹ نکالنے جا رہا تھا۔“ انور لاپرواٹی سی بولا۔ ”تمہاری دلیری کا میں متوف ہوں۔“ اس نے کہا اور انور کو عجیب نظروں سے دیکھنے لگا۔ انور نے جیب سے سگرہٹ کا پکٹ نکالا اور ایک سگرہٹ منتخب کر کے دیا سلانی ڈھونڈنے لگا۔ ”تمہاری دیا سلانی میرے پاس ہے۔ عجیب الائقت آدمی نے دیا سلانی کی ڈیبی اس کی طرف پھیک دی۔“

انور سگرہٹ سلاک کر کھڑا ہو گیا۔

”تم یہاں سے نکل نہیں سکتے۔“ خوفناک چہرے والا بھی اٹھتا ہوا بولا۔

”میں اس ارادے سے نہیں اٹھا۔“ انور مسکرا یا۔ ”وہ اتنے اطمینان کے ساتھ سگرہٹ پی رہا تھا جیسے اپنے کمرے میں ہو۔ اس کے چہرے پر مخصوصیت پھیل گئی تھی اور وہ اتنا بھولا دکھائی دیئے لگا تھا جیسے دنیا کے ثیب و فراز سے بالکل ناداواقف ہو۔“

”انور یہاں تمہاری کوئی مکاری نہیں چل سکے گی۔“

”مکاری.....!“ اور مخصوصاً انداز میں بولا۔ ”میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو۔ لیکن اتنا جانتا ہوں کہ تم میرے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ میں مہاتما بدھ کا سچا بیرون ہوں۔“

”اگر واقعی میری صوت آگئی ہے تو میں تمہاری بات پر ضرور بیٹھنے کرلوں گا۔“ وہ پس کر بولا۔

”کل تمہیں نے مجھے جبیل کے کنارے اٹھا کر پیچک دیا تھا۔“ انور نے اپاٹک پوچھا۔

”ہاں کیوں کیا مجھے ایسا بہ کرنا چاہئے۔“ وہ تسلیخ آمیز لمحے میں بولا۔

”نہیں مجھے خوشی ہوئی تھی۔“ انور نے سمجھی گی سے کہا۔

”تم خواہ تو وہ اس معاملے میں آکو دے۔“ وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”مجھے تم سے کوئی دشمنی نہیں۔“

”میں بھی حاضر تمہارے عشق میں گرفتار ہو کر ان جنگلوں کی طاک چجان چجان کر پھاٹکا پھر رہا ہوں۔“ انور نے کچھ اس انداز میں کہا کہ وہ بیساخت خس پڑا۔

لیکن انور سمجھی گی سے بولا۔ ”میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔“

”کیا مطلب.....!“ وہ چوک کر بولا اور دھڑکا سمجھیدہ ہو گیا۔

”تھی کہ تم حق نہیں اتنے نیک نہیں ہو جتنا کہ مجھے جاتے ہو۔“

”یعنی.....!“

”یعنی یہ کہ آتشی پرندے سے زیادہ میں اس پاگل لڑکی میں پچھی لے رہا ہوں۔“

وہ انور کو گھور نے لگا غالباً وہ اس کا فیصلہ کرنے کی کوشش کرو رہا تھا اکار کہ اس کے جواب میں کیا کہے۔ دھڑکا دھڑکا گرج کر بولا۔ ”تم یہاں سے زندہ نہیں جائیں۔“

”اگر میں تمہیں نہ پہچانتا تو.....!“ انور نے پر سکون لمحے میں کہا۔

”میں تمہیں چھوڑ دیتا۔۔۔ کیونکہ کسی بے گناہ کے خون سے ہاتھ رنگنا پسند نہیں کرتا۔“

”اور ان لوگوں نے تمہارا کیا بیگانہ اتحاد جن کے گمراہ تم نے پھوک دیئے۔“ انور نے طریقہ لمحے میں کہا۔

”تمہیں اس سے کیا سروکار.....!“ وہ جھلا کر بولا۔

”سرد کارتہ ہوتا تو میں یہ زحمت ہی کیوں مول لیتا۔“

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"مجھے فسوس ہے کہ تم جیسا ذہین آدمی میرے ہاتھوں مارا جا رہا ہے۔ کاش تم نے مجھے پہچاناتے ہوتا۔ مگر کون جانے ممکن ہے یہ بھی تمہاری چال ہو۔"

انور اس طرح خس پڑا جیسے وہ اس سلسلے میں جھوٹ بولا ہو۔

"تم مجھ سے زیادہ چالاک معلوم ہوتے ہو۔" انور بے اختیار بولا۔

"خیر..... خیر..... برخود ارب مجھے اور زیادہ گھنے کی کوشش نہ کرو۔ تم اس طرح اپنی جان نہیں پہاڑتے۔ میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ تم مجھے پہچان گئے ہو۔"

"خیر مجھے اس کی پرواہ نہیں۔" انور لاپرواہی سے بولا۔ "میں بے شک تمہیں پہچان گیا ہوں۔ میں نے کل ہی پہچان لیا تھا۔ دیکھو عمران تم میرا بال بھی بیکاریں کر سکتے۔"

بجیب التلقیت آدمی نے قہقہہ لگایا۔

"دیکھو انور تم درحقیقت اتنے چالاک نہیں جتنا خود کو سمجھتے ہو۔ اب تم عمران کا نام لے کر اپنی جان پہچانے کی کوشش کر رہے ہو۔ ابھی ابھی تم نے ایک زبردست غلطی کی ہے جسے پیش نظر رکھتے ہوئے میں تمہارے فقردوں میں نہیں آسکا۔"

"کیسی غلطی.....!"

"پاگل بُر کی کامند کر رہا۔ بھلا عمران کو اس کی ذات سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

"تعلق میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" انور معنی خیز انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"یعنی.....!"

"تمہیں محمود سے دشمنی ہے۔ مجھنے اس لئے کہ تمہاری شادی شاہدہ سے نہ ہو سکی۔ تمہیں انتقام سے علم ہو گیا کہ محمود ڈاکٹر کی بہن میں دوچھی لے رہا ہے۔ اس پر تم نے شاہدہ کو محمود کے خلاف اکسایا اور شاہدہ کا انتقامی جذپہ اس شدت سے ابھار دیا کہ وہ کل رات کو جیل کے کنارے ان دونوں پر گولی چلانے سے بھی باز نہ آتی۔ قہقہے میں تم لوگوں کے گھر پھوک رہے ہو جن سے تم دشمنی رکھتے ہو میں نہیں جانتا کہ تمہاری آئندہ سیکھ کیا ہو گی۔ بہر حال یہ مسلم ہے کہ تم محمود کو ختم کر دینے کی فکر میں ہو۔ مگر اس طرح کہ اس کا الزام دوسروں کے سر جائے۔ ممکن ہے کہ تم اس سلسلے میں ڈاکٹر نصیر اور محمود کو بھی الجھانے کی کوشش کرو۔"

انور خاموش ہو گیا اور وہ خاموشی سے انور کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوا رہا تھا جیسے وہ کسی ابھی میں جلا ہو گیا ہو۔

”بہر حال تم میرا کچھ نہیں بگاہ سکتے۔“ وہ تنہ پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”اور میں تمہیں ابھی ختم کے دیتا ہوں۔“

”ختم کرنے کے لئے کون ساطریقت استعمال کرو گے؟“ انور اپنی نائی کی گردہ ڈھلنی کرتے ہوئے لاپرواںی سے بولا۔

”تم ایکٹنگ بہت اچھی کر لیتے ہو۔“ وہ بہس کر بولا۔ ”لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم خوفزدہ ہو۔“

”ممکن ہے۔“ انور نے کہا اور اس طرح اپنی نائی کھول کر پھیکی جیسے اسے گری لگ رہی ہو۔ قمیں کے بڑن بھی کھول دیئے۔

”تم میرے لئے بڑی آسانیاں پیدا کر رہے ہو۔“ وہ سمجھدی سے بولا۔ ”میں تمہارا گاہ گھونک کر تمہیں ماروں گا۔“

انور کے چہرے پر خوف کے آثار پیدا ہو گئے۔ اس کی سانس تیز ہو گئیں اور وہ بے بی سے زمین پر بیٹھ گیا۔

”عمران میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہاں سے چپ چاپ چلا جاؤں گا۔“ انور اپنے نشکن ہوتلوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔

عجیب الحلقت آدمی نے قہقہہ لکایا۔ ”تم مکار ہو۔ میں تم پر اعتاد نہیں کر سکتا۔“

”تم جانتے ہو کہ محمود سے میرا جھکڑا ہو گیا ہے۔“

”ممکن ہے یہ بھی تمہاری مکاری ہو۔“

”تو پھر اب اس سے زیادہ اپنی صفائی میں کچھ اور نہیں کہہ سکتا۔“ انور نے کہا اور سر جھکالایا۔ اس کے چہرے پر مردنی چھا گئی تھی۔ لیکن اس کے دونوں ہاتھوں بڑی طرح مشغول تھے۔ وہ خوفناک آدمی آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھتے لگا۔ اس کا چہرہ حرمت ایکیز طور پر ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اندر حا، گونگا اور بہرہ ہو۔ اس کی

آنکھیں انور کے چہرے پر تھیں اور وہ آہتہ آہتہ ڈرامائی انداز میں اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ انور گھبرا کر کھڑا ہو گیا اس وقت تجھے اُسے اس کا چہرہ خونخاک معلوم ہونے لگا تھا۔

انور پھرتی سے "قدم بچئے ہٹا اور اس کی ٹائی کنڈے کی لپک کی طرح آگے بڑھتے ہوئے دشی کی کنجی سے جاؤں گی۔ اس کے منہ سے ایک دلی سی جیچ نکلی اور دوسرا قدم زمین پر پڑنے سے پہلے عین دلہرا کر گر پڑا۔ انور کی ٹائی کے سرے پر پتھر کا ایک چھوٹا سا نکلا جیوں رہا تھا۔ اس نے جک کر دیکھا خوفناک چہرے والا بیجوش ہو چکا تھا۔ انور نے اس کے دلوں ہاتھ ٹائی سے اس کی پشت پر باعثہ دیئے اور اس کی جیوں کی ٹھاٹی لینے لگا جس سے اس کی ٹارچ اور پتوں مکاہد ہوئے۔

اس کی تجزیہ نظریں خیے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ یہاں کچھ زیادہ سامان تھا۔ دھنٹا ایک چھوٹے سے صندوق نے انور کی توجہ اپنی طرف متوجہ کرالی۔ صندوق تخت کی آڑ میں تھا اور دہلی تک سوم بیتوں کی روشنی اچھی طرح نہیں پہنچ رہی تھی۔ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے خود صندوق سے بھلی بھلی روشنی کھل رہی ہو اور جب اس نے صندوق کھولا تو اس کے منہ سے حیرت آمیز لیٹکل گئی۔ یہ روشنی ایک بوگل میں بھری ہوئی کسی سیال شے کی تھی۔ آگ کی طرح دھکتا ہوا عرق۔ انور نے سوم بیتاں بھاڑیں اور اس عرق کی چک پہلے سے زیادہ ہو گئی۔ اس نے بوگل اپنے جیب میں ڈال لی اور سوم بیتاں پھر روشن کر دیں۔

پھر وہ خیے سے باہر نکل آیا اور ہارچ کی روشنی چاروں طرف ڈالنے لگا۔ کروندے کی جھاڑیاں چاروں طرف سے خیے پر اس طرح جگی ہوئی تھیں کہ وہ ان میں چنپ کر رہا گیا۔ داپنے طرف لکڑی کا ایک کاپ بنایا ہوا تھا۔ جس میں سے کبھی کبھی کسی کبتر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ انور نے کاپ کھول کر ایک کبتر کا لالا اور بوج سے عرق کھال کر اس پر ملنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے آتش پر نمہ تیار ہو گیا۔ پھر انور نے اسے اڑا دیا۔ وہ تمہوزی دریک پچر کاٹ کر پھر کاپ پر آگرا۔ اس نے اسے بند کر دیا اور خیے میں لوٹ آیا۔

وہ خوفناک آدی ہوش میں آگیا تھا اور اب بیٹھا ہوا اپنی پشت پر بندھے ہوئے ہاتھوں کو
کھوکھو ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”قطی بے سود ہے..... انور جیب سے روپا اور نکالا ہوا بولا۔“ تمہاری دوسری کوشش تمہیں جنم میں پہنچادے گی۔“ وہ اسے بے بی سے دیکھنے لگا۔

”ڈاکٹر نصیر! تم طاقتور ضرور ہو گر چلا اک نہیں۔“ انور مسکرا کر بولا۔“ تمہاری یہ سمجھی ڈاکٹری صرف تمہارا چہرہ چھپا سکتی ہے آواز نہیں۔ آواز بدل دینا ایک مشکل فن ہے اور تم ابھی اس میں کپے ہو۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہارے جام کی عمر کتنی ہے اور اس حفاظت کا کیا مقصد تھا۔“ ڈاکٹر نصیر تمہیر آمیر نظریوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”میرا مطلب یہ ہے کہ تم عادی بھرم نہیں معلوم ہوتے۔“ انور نے آہستہ سے کہا۔

”تمہارا خیال نحیک ہے۔“ ڈاکٹر نصیر مدخل آواز میں بولا۔“ اپنی بہن کی طرح میں بھی پاگل ہو گیا ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ سب کچھ بھول گئی ہے لیکن مجھے وہ بات یاد ہے جس کی بناء پر اس کا دماغ خراب ہو گیا تھا۔“

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔“

ڈاکٹر نصیر تھوڑی دریغ خاموش رہا۔ پھر دھڑا گرج کر بولا۔“ کیا تم اسے کبھی معاف کر سکتے ہو جو تمہاری بہن کی زندگی برپا کر دے۔“

”ہرگز نہیں۔“ انور دیپکی کا مظاہرہ کرتا ہوا بولا۔“ لیکن پورے قبے والے تو اس حرکت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔“

”انتقام کا جذبہ انداز ہا کر دیتا ہے۔“ نصیر بھرا ای ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

”میں ایک خاص ایکم کے تحت محمود کا نائز کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے ابھی تک اس کا موقع نہ مل سکا۔ گاؤں والوں کو تو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ پرندے کے پیچے کوئی ما فوق القدرت جو کام کر رہی ہے۔ میں کسی دن محمود کو کسی جھونپڑے میں باندھ کر پھوک دیتا۔ اس طرح کسی کو مجھ پر شہر بھی نہ ہوتا اور میرے انتقام کی آگ بھی بجھ جاتی۔“

”لیکن محمود.....!“ انور اپنا جملہ پورا نہ کر سکا۔

”تم محمود کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ آج سے تین سال قبل جب ہم شہر میں رہے

تحقیق محمود نے سلیمان کو محبت کا فریب دیا تھا۔ وہ اس سے کھیلتا رہا اور جب جی پھر گیا تو اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ پھر سننے میں آیا کہ اس نے اپنے خاندان میں شادی کر لی ہے حالانکہ اس نے سلیمان سے شادی کا وعدہ کیا تھا۔ سلیمان صد سے کم تاب نہ لاسکی اور اس کا دماغی تو ازن بگز گیا۔ میں اسے بے حد چاہتا ہوں۔ دنیا میں اس کے سوا میرا اور کوئی نہیں۔ میں نے اکھ کوشش کی کہ وہ تمیک ہو جائے لیکن میں کامیاب نہ ہوا۔ آخر ایک سالیکو انیلیمیٹ نے مجھے مشورہ دیا کہ میں اسے اُسی ماحول انہیں حالات میں دوبارہ لے جانے کی کوشش کروں جن میں اس کا دماغ خراب ہوا تھا۔ اس نے امید دلائی تھی کہ اس طرح اس کا ذہنی تو ازن تمیک ہو جائے گا پھر میں نے اسی مشورے کے تحت یہاں ہری پور میں سکونت اختیار کر لی۔ محمود اور میں ایک دوسرے کے لئے انجان بنے رہے حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ یہ بھی کر کے دیکھا لیکن کچھ نہ ہوا۔ سلیمان بدستور پاگل رہی پھر میرا جذبہ انتقام بھڑک اٹھا۔ قبے میں میں بہت جلد مقبول ہو گیا تھا اور اب میری یہاں اتنی قدر و منزرات ہے کہ خود حوصلی والوں کی بھی نہ ہوگی۔ بہر حال میں اپنے اس فعل پر قطعی نادم نہیں ہوں۔ میں عدالت میں چیخ چیخ کر اپنے جرموں کا اعتراف کروں گا اور اس کی قلقی کھلوں گا جسے ہری پور والے فرشتے بھجتے ہیں۔“

”نہیں اس کی نوبت نہیں آنے پائے گی۔“ انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لیکن تم نے کتنی بے گناہوں کے گھر بھی پھوٹکے ہیں۔“

”مجھے افسوس ہے۔ انتقامی جذبے نے مجھے بچ پاگل کر دیا تھا۔“

انور نے اس کے ہاتھ کھول دیئے اور ڈاکٹر ہجرت آمیز نظر وہ سے اُسے دیکھنے لگا۔

”میں تمہیں پولیس کے حوالے نہیں کروں گا۔“ انور بولا ”زرا کا مستحق محمود ہے۔“

”لیکن میں پھر کہتا ہوں کہ محمود بھی نہ کبھی میرے ہاتھ سے مارا جائے گا۔“ نصیر خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔

”مجھے اس سے غرض نہیں۔“ انور لاپرواٹی سے بولا۔ ”میں خود انتقام کا قائل ہوں اور اسے درست سمجھتا ہوں۔ میں تو اس پرندے کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا تھا جو مجھے معلوم ہو گئی۔ لیکن اس دھماکے کا کیا راز تھا۔“

"ایک نخا سا بم.....!" ذاکر نے کہا۔ "جو میں بعض اس مقصد کے تحت کہوتے کے پیٹ میں
باندھ دیتا تھا کہ اسے مار گرانے والے کو اس کا راز نہ معلوم ہو سکے۔"

"بہت خوب.....! اور وہ عرق.....!"

"یہ میری اپنی ایجاد ہے۔ فاسدوس کا کیمیائی حل جس میں شعلکی تو قائم رہتی ہے لیکن
حدت ختم ہو جاتی ہے۔"

"کیا مجھے اس کا فارمولادے سکو گے۔" انور نے پوچھا۔

"لے لیتا.....!" ذاکر نصیر نے کہا۔ "لیکن مجھے اب بھی تم پر اعتماد نہیں۔"

"تم مطمئن رہو.....! میرا کام ختم ہو گیا اور ساتھ ہی ساتھ مایوسی بھی ہوئی۔"

"کیسی مایوسی۔" ذاکر چونک کر بولا۔

"یہ کیس زیادہ دلچسپ اور خطرناک نہ ثابت ہوا۔" انور نے کہا۔ "اس کی سب سے بڑی
وجہ سی ہے کہ تم عادی بھرم نہیں ہو۔"

دونوں گنگوکرتے ہوئے چل پڑے۔ دشوار گزار جھاڑیوں سے گزرتے ہوئے وہ ایک
غار میں اتر گئے اور پھر چند لمحوں کے بعد وہ چیل کے کنارے تھے۔ یہاں غار کا دہانہ تنک ہو گیا
تھا اور اوپری اور پیچی گھاٹ سے تقریباً چھپا ہوا تھا۔

"تو تم اس رات کو سینیں غائب ہوئے تھے۔" انور نے پوچھا۔

"ہاں.....!" ذاکر نصیر نے آہستہ سے کہا اور وہ آگے بڑھ گیا۔ جنگل میں چیل ہوئی
بلکہ اس ناگزینی نے اپنی اپنے دامن میں چھپا دیا۔



دوسرے دن انور اور رشیدہ ہری پور سے شہر کی طرف جا رہے تھے۔

"تم نے اسے چھوڑ کر اچھا نہیں کیا۔" رشیدہ بولی۔

"میں نے بہت اچھا کیا۔ محمود اس قابل ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔"

”کیا تم اس لئے کہہ رہے ہو کہ اس نے تمہیں بے عزت کیا تھا اپنے گھر سے نکال دیا۔“

”نہیں یہ بات نہیں۔ اُبھی یہ حرکت اُنکی نہیں تھی کہ میں اس کی جان کا گاہک بن جاتا۔“

”اگر ڈاکٹر نے پھر وہی حرکتیں شروع کیں تو۔“

”نہیں اب وہ ایسا نہیں کرے گا۔ البتہ محمود کے بارے میں اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔“

”مگر.....!“

”چپ رہو..... اب میں ہری پور کے متعلق ایک بات بھی نہیں سن سکتا۔ ختم کرو اس قصے کو۔“

”اچھا اگر تم نے مجھے دھوکا دیا تو.....!“ رشیدہ ادھر ادھر دیکھ کر بولی۔ ”سینئنڈ کلاس

کپارٹمنٹ میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔“

”لیکن میں تم سے محبت کب کرتا ہوں۔ میں نے تم سے کبھی یہ نہیں کہا۔“

”لیکن میں تو کرتی ہوں۔“ رشیدہ نے دانت پیس کر کہا اور اس کے دونوں کان پکڑ کر

جھنجھوڑ دا لے۔

انور نے ایک چانٹا رسید کر دیا۔ لیکن رشیدہ کا جوابی تھپٹر زور دار تھا۔ انور نے اس کے گھونکھریا لے بال اپنی مشی میں جکڑ لئے۔ رشیدہ چینچنے لگی اور پھر انور کی ٹاک پر ایسا ہاتھ مارا کہ وہ بلباکر چیچے ہٹ گیا۔ دونوں ایک دوسرے کو گھومنے لگے۔

”جنگلی!“ رشیدہ نے آہستہ سے کہا اور غسل خانے کی طرف چل گئی۔

ختم شد